شمعِ جمال

تاریخِ تصوف

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

باجھ وصال اللہ دے باہو سب کہانیاں قصے

سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ

قدس سرہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمع جمال

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

ناشاد پبلشرز

۶۵-۶۶ ریگل پلازہ، کوئٹہ فون ۴۴۵۱۸۰ (۰۸۱)

۷/ رائل پارک، لاہور۔ فون ۶۳۷۳۰۱۲ (۰۴۲)

Marfat.com

297.642
ش 285 ا
143379

یکے از مطبوعات

حضرت غلام دستگیر اکادمی (پاکستان)

جملہ حقوق محفوظ

پہلی بار ---۱۴ مارچ ۱۹۹۵ء

سرورق : اسلم کمال

تزئین و اہتمام اشاعت : سلطان ارشد القادری
ناشر : ناشاد پبلشرز، کوئٹہ ـ لاہور

ہدیہ : =/ ۱۴۰ روپے

ISBN - 969 - 8241 - 04 - 3

Marfat.com

"در

شمعِ جمالؑ

پروانۂ کونین بسوخت

و

نقابِ میمِ احمدی (ﷺ)

پوشیدہ

صورتِ احمدی (ﷺ)

گرفت"

(حضرت سلطان باھُو قدس اللہ سرہٗ ---- "رسالہ روحی")

Marfat.com

بنام

سلطان الفقر و سلطان العارفین

حضرت سلطان باھوؒ

قدس اللہ سرہٗ

PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

عکسِ جمال

1	پیش لفظ	9
2	شمع جمال ---- اِنسانِ کامل ﷺ	13
	○ معراج	27
3	طریقت کے شیخین	35
	○ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ	36
	○ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ	39
4	حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ	43
	○ طریقہء قادریہ : شجرۂ طریقت	60
	حضرت سُلطان العارفین سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ	63
	○ طریقہء سروریہ قادریہ : اویسی فیض	70
5	خواجہء بزرگ حضرت مُعین الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ	73
	○ طریقہء چشتیہ : شجرۂ طریقت	81
6	شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدّین عمر سُہروردی رحمتہ اللہ علیہ	85
	○ طریقہء سُہروردیہ : شجرۂ طریقت	107
7	حضرت شیخ ابوالحسن المغربی الشاذلی رحمتہ اللہ علیہ	109
	○ طریقہء شاذلیہ : شجرۂ طریقت	118
8	خواجہء خواجگان حضرت بہاؤالدّین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ	121
	○ طریقہء نقشبندیہ : شجرۂ طریقت	131
9	اَمیر کبیر سیّد علی ہمدانی (شاہِ ہمدان) رحمتہ اللہ علیہ	135
	○ طریقہء امیریہ (ہمدانیہ) شجرۂ طریقت	154

Marfat.com

10 اساتذۂ تصوّف 157

(الف) حُجتہ الاِسلام اِمام مُحمّد غزالی رحمتہ اللہ علیہ 159

○ طرِیقہء غزالیہ 175

(ب) شیخُ الاکبر محیّ الدّین ابنِ عَربی رحمتہ اللہ علیہ 179

200

○ طرِیقہء اکبریہ 203

(ج) مولانا جلالُ الدّین مُحمّد بلخی رُومی رحمتہ اللہ علیہ 228

مُریدِ ہندی علامہ مُحمّد اقبال رحمتہ اللہ علیہ 235

○ طرِیقہء مولویہ

11 تلقین و درسِ اہلِ نَظَر 241

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جب نُورِ اَحدی نے "شمعِ جمَال" روشن کی تو آسمانوں پر نام اَحمد لکھا گیا-----
صفتِ جمال کا ظہور رحمتہ اللعالمین ﷺ کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔
پھر رحمتہ اللعالمین ﷺ کا جمال بے نقاب ہوا تو صُوفیاء فقراء کے چراغ جل اُٹھے----

تمام مشائخ کبار (رحمتہ اللہ علیہما) رحمت کے مظہر تھے۔
اِس کتاب میں رحمت کے انہی مظاہر کی نشاندہی کی گئی ہے جو اسلام کی داخلی پَرت---- تصوف و طریقت---- کے نمائندہ' امین' معلم اور مبلغ تھے۔

"شمعِ جمَال" کے پہلے مقالے میں حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے وجود کی روحانی جہت کی طرف اشارے کئے گئے ہیں اور پھر آپ ﷺ کے ظہور پر تاریخ و تہذیب عالم کی داخلی رونے جو رخ اختیار کیا' اس کو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے---- یہ رو آپ ﷺ کے قلب سے ہو کر گذری۔

یہ داخلی رو رحمت کی زیریں رو ہے۔ اس کے بہاؤ کو سیدھا اور جاری رکھنے کے لئے تاریخ کے مختلف نقاط پر پے درپے ایسی ہستیاں ظاہر ہوتی رہیں جن کے قلوب اس رو کی محفوظ گذرگاہ بن گئے۔ یہاں تک کہ جدید دور میں وہ گذرگاہ اتنی پھیل گئی کہ اب نہ کہیں سما سکتی ہے' نہ سمٹ سکتی ہے۔ مگر ایک وسیع دریا ہے کہ حیات و کائنات کی روح میں موجود ہے اور موجزن ہے۔

رحمت کا دریا---- ہدایتِ عام---- تصوّف' حکمت اِلٰہیہ اور دانشِ نُورانی کی تعلیم۔

اللہ ان معلّمین کی روحوں کو "شمعِ جمال" کے نور و حضور میں قُرب کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے جنھوں نے اِسلامی تہذیب کو خصوصاً" اور تہذیب عالم کو عموماً" اپنی قوّتِ قُدسیہ سے ایسی روشنی عطا کی جو قیامت تک بُجھے گی' نہ چُھپے گی۔

Marfat.com

❁ زیرِ نظر کتاب میں انہی معلّمین کا تذکرہ ہے----- اس لحاظ سے یہ تعلیم باطن یعنی تصوف کی تاریخ ہے کیونکہ سیاسی و معاشی تاریخ میں ایسا ہوتا ہے یا نہیں مگر تصوف و حکمت کی تاریخ تو عظیم روحانی شخصیات کے گرد ہی گھومتی ہے اور انہی کی وجہ سے وجود میں آتی ہے اور ظاہر میں کردار و واقعات سب ان کے قلوب و ارواح سے ابھری ہوئی غیر مرئی قوت کے شواہد و مظاہر ہوتے ہیں۔

❁ یہاں صرف ان معلّمین کا تذکرہ ہے جو فقر و درویشی میں مختلف طریقوں کے بانی ہوئے اور جن کی تعلیم نے برصغیر ہندوپاک کی تہذیب و ثقافت میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔

❁ ہادیءِ اعظم حضرت محمّد رسول اللہ ﷺ کے بعد طریقت کے شیخین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' ہیں۔ چونکہ ان کے حالات معروف ہیں اس لئے ان کے بارے میں صرف شذرات کافی سمجھے گئے ہیں۔

❁ پھر مشائخ' قادریہ و سَروریہ قادریہ' چشتیہ' سُہروردیہ' اکبریہ' شاذلیہ اور امیریہ (ہمَدانیہ) کے حالات پر مضامین تاریخی ترتیب کے ساتھ تالیف کئے گئے ہیں۔

قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ اور نقشبندیہ----- یہ چار سلسلے تو برصغیر پاک و ہند میں بہت معروف ہیں۔ شاذلیہ طریقہ المغرب کے ممالک میں مرّوج ہے۔ مگر اس کے اَوراد و اذکار (حزب البحر' دلائل الخیرات) مشرقی ممالک کے صوفیوں نے قبول کئے اور مختلف طریقوں کے اہل سلوک نے ان کو اپنے عمل سے شامل کرلیا۔ اسی طرح حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی (شاہ ہمدان) رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ امیریہ (ہمدانیہ) گِلگت' بلتستان اور کشمیر سے لے کر تاجکستان تک مقبول ہے مگر ان کے "اورادِ فتحیہ" دوسرے طریقوں کے درویش بھی پڑھتے آئے ہیں۔

❁ تین مشائخ طریقت و معرفت پر مضامین "اَساتذہَ تصوّف" کے عنوان کے تحت الگ ترتیب دیئے گئے ہیں۔ حُجتہَ الاسلام امام غزالی' شیخ الاکبر محیّ الدّین ابنِ عربی اور مولانا جلال الدین محمّد بلخی رُومی رحمھم اللہ علیھم وہ ائمہِ تصوّف ہیں جن کا علم و وجدان کسی ایک طریقہ میں نہیں سما سکا بلکہ ہر طریقے میں اس کے اثرات سرایت کرگئے۔ اگرچہ ان کے طریقوں کو طریقہ ہائے غزالیہ' اکبریہ اور مولویہ کہا جاتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ ایسے بے سلسلہ بزرگ تھے کہ کوئی سلسلہ ان کی وجدانیات کی برکت سے محروم نہ رہا۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے انہیں حجتہ الاسلام، شیخ الاکبر اور مولانا کے خطابات سے نوازا۔
❁ مشائخ میں سے ہر ایک کے حالات کے آخر میں متعلقہ طریق کی خصوصیات پر نوٹ لکھے گئے ہیں۔ یہ نوٹ اس لئے مفید ہیں کہ اگر کوئی تصوف کے دائرے میں آنا چاہتا ہو تو طرق کی خصوصیات کی روشنی میں اپنی طبیعت کی مناسبت دیکھ کر کسی سلسلہ کے شیخ ارشاد کے پاس جائے ورنہ اس کی مساعی لاحاصل ہونے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

کچھ مضامین پہلے چھپ چکے تھے جیسے :

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ (المعارف لاہور۔ اگست ۱۹۷۵ء)

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ (المعارف لاہور۔ جون ۱۹۷۹ء)

اسی طرح حضرت شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ پر ذیلی مضمون "تعلیمات" ایک کانفرنس میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا جس میں حضرت شاہ ہمدان کے نظریہء تصوف کی وضاحت کی گئی ہے اسے بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے طریقہ کو طریقہء اویسیہ کہا گیا ہے۔ اس کی مثال کے لئے قادریہ اویسیہ کے ایک معروف شیخ حضرت سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کا ایک سوانحی خاکہ بھی دے دیا گیا ہے اور ان کے طریقہ کی خصوصیت پر ایک نوٹ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

❁ اس ترتیب کے ساتھ یہ مجموعہ پیش خدمت ہے۔ گو بظاہر اسے تصوّف کا ایک تاریخی مطالعہ سمجھا جائے گا مگر ہو سکتا ہے کہ کچھ سَعید رُوحوں کے لئے یہ فکر و نظر کی تبدیلی کا باعث بنے اور وہ اس نظر کی اہمیت کو جان سکیں جو گہری دِین داری کے احساس سے پیدا ہوتی ہے اور پھر حَیات و کائنات کے بارے میں ایک مومن کا نظریہ و روّیہ بدل جاتا ہے اور وہ حقائقِ عالم کو ان کی اصل صُورت میں دیکھنے لگتا ہے اور پھر اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نظر صرف مکرّم صوفیاء کی صُحبت اور تعلیم کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے ---- لہٰذا یہ کتاب التّاریخ ہی نہیں بلکہ کتابُ التّعلیم بھی ہے۔

نوشہرہ (وادیء سُون)
۲۳۔ اگست ۱۹۹۲ء

سیّد احمد سعید ہمدانی

❁

Marfat.com

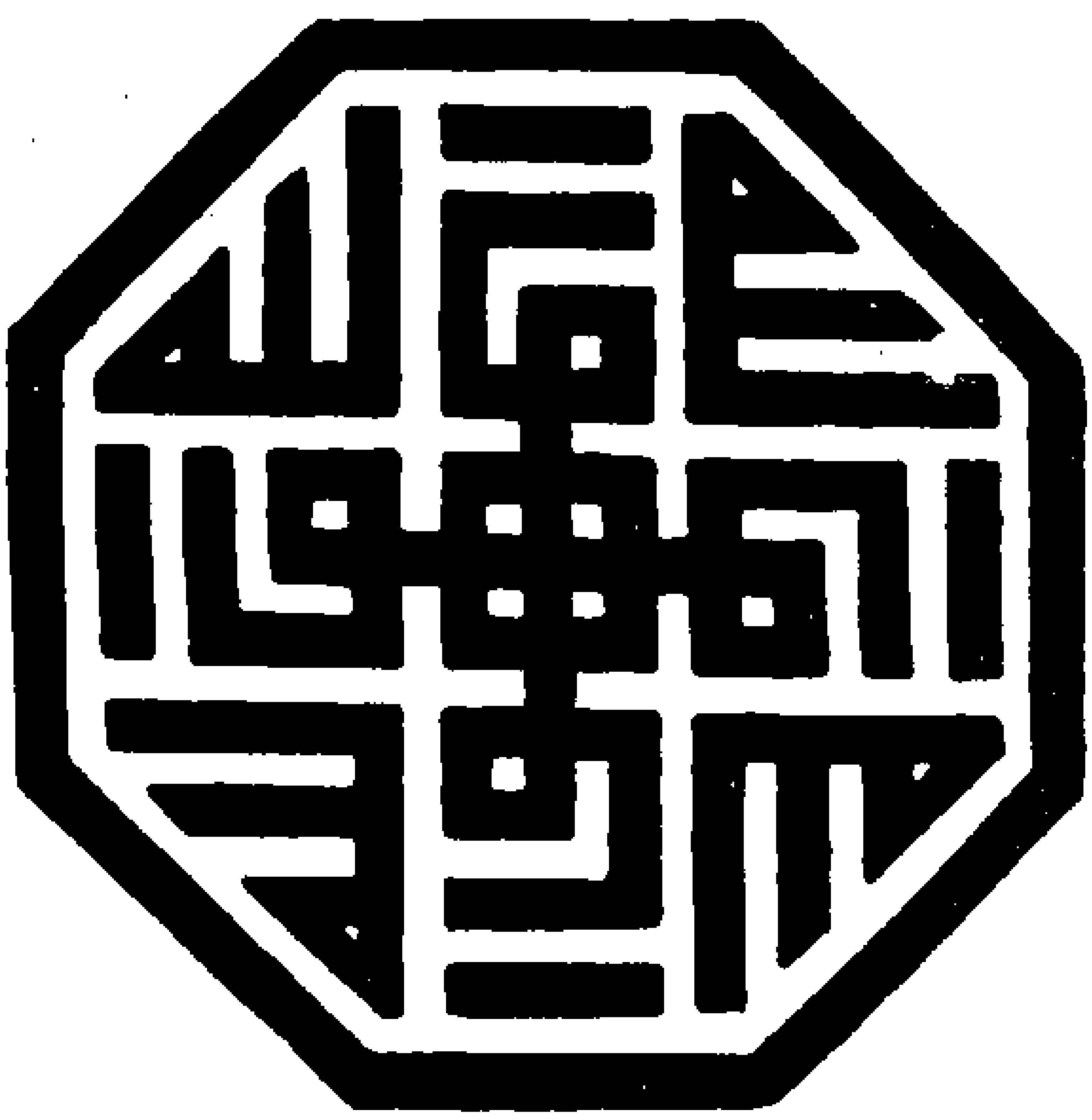

Marfat.com

شمعِ جمال

شمعِ جمال — انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

معراج

Marfat.com

Marfat.com

لا الٰہ الاّ اللہ محمدٌ رسول اللہ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمعِ جمال، انسانِ کامل

کلمہء طیّبہ جو ہم روزانہ پڑھتے ہیں اور جو کلیدِ ایمان و اسلام ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ **لَا اِلٰہَ اِلا اللہ** اور **مُحَمَّدٌ رَسُول اللّٰہ**۔ پہلے حصّے میں توحید کا اعلان ہے اور دوسرے حصّے میں سیّدنا حضرت محمّد ﷺ اور ان کی رسالت پر ایمان و اقرار ہے۔ ہرچند کہ توحید تمام ادیان و مذاہب کا بنیادی و مرکزی نقطہ رہا ہے مگر اجماع امت ہے کہ صرف توحید کے اعتقاد کے ساتھ ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ایمان اس وقت مکمل ہو گا جب محمّد رسول اللہ (ﷺ) کا اقرار کیا جائے گا۔

محمّد رسول اللہ (ﷺ) کے اقرار میں یہ رمز پوشیدہ ہے کہ محمّد رسول اللہ (ﷺ) کی ذات بڑی اہم ہے۔ کچھ لوگ ذات محمّد ﷺ کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف وحی و رسالت اور اس کے نتیجے میں صرف کتاب پر زور دیتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات یہاں تک بھی سنا جاتا ہے کہ نبوّت و رسالت کا مقصود صرف وحی کا ابلاغ تھا۔ یعنی حضرت محمّد ﷺ تو محض ایک ذریعہ یا میڈیم ہے۔ جب قرآن کریم کی صُورت میں ابلاغ ہوگیا تو میڈیم کی ضرورت نہ رہی۔ ایسا کہنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہو گی مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُمت میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کا ایمان اسی عقیدے تک محدود ہے۔

یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ کلمہ میں لفظ محمّد ﷺ لاکر بتا دیا گیا کہ ذاتِ محمّد ﷺ کو نظرانداز کرو گے تو رسالت کے مطلب و مقصد تک بھی نہیں پہنچ پاؤ گے کیونکہ اگر محمّد ﷺ کی حیثیت صرف میڈیم کی سی ہوتی تو پھر کلمہ یوں ہونا چاہیے تھا' **لَا اِلٰہَ اِلا اللہ قرانُ کِتابُ اللہ**۔ کیونکہ جو نازل ہوا وہ تو قرآن میں محفوظ ہو

Marfat.com

گیا۔ اب کلمہ میں اس کتاب کا ذکر و اقرار کافی تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ کہا گیا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ۔۔۔۔۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی ذات پر ایمان ضروری ہے۔ کیونکہ توحید کے بعد محمد ﷺ کی ذات اور ان کی رسالت پر ایمان معرفت حق کی طرف ابتدائی قدم ہے۔

اب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کی دو جہات ہیں۔ پہلے باطنی اور پھر ظاہری۔ باطنی جہت کو دور تک دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہمارے صوفیاء و متکلمین رحمھم اللہ علیھم نے اس بارے میں اتنا کچھ کہا اور لکھا ہے کہ جمع ہو کر یہ ایک بہت بڑے فکری ذخیرے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

ذات محمد رسول اللہ ﷺ کی باطنی جہت کا اگر جائزہ لیا جائے تو تخلیق کون و مکان حقیقت کائنات اور شرف انسانیت کے بارے میں تمام متصوفانہ خیالات پر نظر ڈالنی پڑے گی۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ تمام مخلوقات کلمہ "کن" سے ظہور میں آ گئی۔ مگر اس کلمہ کے پیچھے کون سا جذبۂ حق کارفرما تھا جو مخلوق کی پیدائش کا موجب ہوا۔ اس سلسلہ میں صوفیاء کرام رحمھم اللہ علیھم ہمیشہ ایک حدیث قدسی دہراتے ہیں جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ کُنْتُ کَنْزًا " مَخْفِیًا " فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے' پس میں نے مخلوقات کو پیدا کیا) مخفی خزانہ سے مراد یہ ہے کہ ذات الٰہی ابھی تک اسماء و صفات سمیت خفا میں تھی۔ پھر ذات کے اندر سے ایک جذبہ پیدا ہوا جس کی طرف فاحببت کے بظاہر سادہ سے لفظ کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے: "پس میں نے چاہا"۔ مگر یہ چاہت' یہ محبت اس شدت کے ساتھ ظہور میں آئی کہ اسے صوفیاء کرام رحمھم اللہ علیھم نے عشق سے تعبیر کیا۔ جس طرح جمال شدت سے ظاہر ہو تو وہی جلال بن جاتا ہے' اسی طرح اگر محبت کا شدت کے ساتھ اظہار ہو تو اسے ہی عشق کہتے ہیں۔ یہ عشق صرف جذبۂ حق تھا جس کی بناء پر یہ کائنات وجود میں آئی۔ صوفیاء رحمھم اللہ علیھم جب عشق کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ یہ وجۂ تخلیق کون و مکان ہے اور کون و

Marfat.com

مکان کے ذرے ذرے میں اس کی حرارت موجود ہے۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہر چہ گویم عِشق را شرح و بیاں
چُوں بعشق آیم' خجل باشم ازاں

یا اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے کہا:

عِشق کے مِضراب سے نغمہء تارِ حَیات
عِشق سے نُورِ حَیات' عِشق سے نارِ حَیات

یا حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے الہامی کلام میں ارشاد کیا:(۱)

"حَضرتِ عِشق بہ بارگاہِ کبریا تخَتِ سلطنت آراستہ"

حضرت شیخ الاکبر محیّ الدّین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کائنات کو ایک درخت سے تشبیہ دی جو جذبہء حق کے سبب وجود میں آیا۔ اس کی ایک جڑ ہے' شاخیں ہیں اور پتے ہیں اور اس کا پھل ہے۔(۲)

اب اس کی جڑ کیا ہے؟ اس کی جڑ وہ پُر حِکمت مقصود ہے جو کائنات کی پیدائش کے سلسلہ میں ازل سے اللہ تعالیٰ کی مدِ نظر تھا اور وہی منتہائے مقصود تھا---- انسان یعنی شرف انسانیت یا انسان کامل۔

اپنے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء اور اپنی صفات کے بے شمار مظاہر پیدا کئے مگر آخر میں ایک مظہر کو اپنی شکل پر پیدا کیا یعنی اس میں اپنی صفات کے ظہور کی پوری گنجائش رکھی۔ یہ انسان تھا' گویا ازل سے اللہ کے پیش نظر انسانیت کے شرف کا ظہور تھا جسے انسان کامل کہا گیا---- تمام اسماء و صفات الٰہیہ کا مظہر' مطلق انسان کامل ﷺ ---- اور شیخ عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہی اس کے مصداق ہیں کیونکہ "کاملین میں سے کسی میں ان کا خلق اور اخلاق نہیں پایا جاتا۔"(۳)

اب کائنات کی پیدائش سے پہلے اس رُوحانی وجود یا سرِّ حقّ کو جس کا ظہور الٰہی حکمت کے پیش نظر تھا' نُور کہا گیا ہے۔ یہ باطنی جہت سے ذات محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور تھا۔ حضرت محمدّ رسول ﷺ کی باطنی حقیقت یہ ہے کہ جب عِشق نے جو جذبہء

Marfat.com

حقّ ہے' اپنا دربار سجایا تو سب سے پہلے نورِ حضور ﷺ کو وجود میں لانے کا حکم صادر فرمایا۔ صوفیاء کرام رحمہم اللہ علیہم اس کو یوں کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ نے اپنی ذات سے جس نور کو جدا کیا' وہ نور محمد ﷺ تھا--- **نُورٌ مِنْ نُورِ اللّٰہ**--- نور محمدی ﷺ یا روح الحق' ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اس کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔

یہی حقیقت محمدیہ (ﷺ) تھی جس کے ظہور کے لئے کائنات پیدا کی گئی۔ نعت کا ایک وجد آفرین شعر ہے:

اے کہ ترے وجود پر خالقِ دو جہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجہِ وجودِ کائنات

کئی احادیث و روایات اس امر کی مؤید ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو بتایا کہ **لَوْلَاکَ لِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** یعنی اگر تیرا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں یہ افلاک پیدا نہ کرتا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا: **کُنْتُ نَبِیًّا" وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ** یعنی میں اس وقت نبی تھا جب آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے' مطلب یہ ہے کہ ابھی تک آدم علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا تھا۔ یا فرمایا: **اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَ الْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُّوْرِیْ** (میں اللہ کے نُور سے ہوں اور تمام مخلوقات میرے نُور سے ظہور میں آئیں)۔

چنانچہ حضرت ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کائنات کے اس درخت کی جڑ بھی آپ ﷺ ہیں اور اس کا پھل بھی آپ ﷺ ہیں' پہلے بھی آپ ﷺ ہی تھے اور آخر میں بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔ حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کے آخر میں ہونے کی ایک مثال بھی دی ہے کہ مثلاً ایک تاجر ہے' وہ اپنے خزانے کے اوپر غالیچے کو لپیٹ کر رکھے مگر اس کے اندر ایک دوسرے کے اوپر کئی کپڑے بھر دے تو اس صورت میں جب وہ اس غالیچے کو کھولے گا تو جو کپڑا اس نے سب سے پہلے رکھا ہو گا' وہ سب سے آخر میں نکلے گا۔(۴) ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ظہور کا حال یہی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک سب سے پہلے وجود میں آئی اور سب سے آخر میں آپ کا ظہور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے

Marfat.com

آپ کو اوّل و آخر کہا گیا ہے:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل' وہی آخر
وہی قرآں' وہی فرقاں' وہی یٰسین' وہی طٰہٰ

تو اصل از وجود آمدی نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

یہ وہی مرتبہ ہے جہاں آپ "کُل" ہیں۔ اَلْکُلُّ فِیْہِ وَ مِنْہُ وَ کَانَ عِنْدَہٗ (سب کچھ آپ ﷺ میں ہے' آپ ﷺ سے ہے' آپ ﷺ کی طرف سے تھا اور ہے)۔(۵)

لوح بھی تو' قلم بھی تو' تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

نورِ محمدیہ (ﷺ) کا ظہور حالتِ بشریت میں دنیا کی تاریخ ماہ و سال میں اپنے وقت پر ہوا۔ یہ آپ کا بشری وجود تھا۔ اصْطَفٰی وَاحِدًا "مِّنْ خَلْقِہٖ ھُوَ مِنْھُمْ وَ لَیْسَ مِنْھُمْ" (اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ایک کو چن لیا' بظاہر وہ ان میں سے ہے مگر اپنی حقیقت اور باطنی جہت کے لحاظ سے ان میں سے نہیں)۔ انسان کامل کا اس دنیائے آب و گل میں ظہور بھی کامل طور پر ہوا یہاں آکر آپ پر بشریت کا اطلاق ہوا: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ(۶) (تو کہہ' میں بھی تمہاری مثل ایک آدمی ہوں) نور کی حقیقت اپنے مقام پر رہی لیکن بعض دیکھنے والوں کی نظر کے لئے یہ بشریت حجاب بن گئی کہ وہ اس بشریت کے پیچھے انسان کامل کی باطنی جہت یا حقیقی فطرت کو نہ دیکھ سکے: وَ تَرٰھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ(۷) (اور تو دیکھے' تیری طرف تکتے ہیں اور کچھ نہیں دیکھتے) ظہور کا سارا حسن و جمال پیکرِ محمد ﷺ میں ڈھل گیا۔ غالب نے کہا ہے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

یا میر نے کہا:

Marfat.com

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اُس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بشری جہت میں انسانِ کامل کی کاملیت کی ایک صُورت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ان تمام مراحل سے گذرتا ہے جن سے عام بشریت گذرتی ہے مگر انسان کامل کی بشریت کے قویٰ و اعضاء کی اہلیت اور ظرف و استعداد کا یہ عالم ہوتا ہے کہ تمام جہاں کے مصائب و ابتلاء' تجربات و واردات' مشاہدات و انکشافات اس کی زندگی کی تاریخ میں سما جاتے ہیں۔ اس کے ہر فعل و عمل کی ایک باطنی جہت ہوتی ہے جس کی رو سے اس کی بشریت کا روحانی ارتقاء مقدر ہوتا ہے۔

ایک تذکرے میں حضرت خواجہ نظام الدّین اولیا رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شاہ رُکن عالم ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کا مکالمہ درج ہے۔ دونوں کے ملاقات کے دوران کسی نے سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کا روحانی باعث کیا تھا؟ حضرت رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے فہم کے مطابق "آنحضرت کے کمالات باطنی کی تکمیل اس پر منحصر تھی کہ آنحضرت ﷺ اپنا گھر چھوڑیں' سفر کی تکلیف اٹھائیں اور مدینہ میں بے گھر ہو کر رہیں۔"(۸) گو حضرت خواجہ نظام الدّین و الحقّ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک توجیہہ بیان فرمائی مگر ایک تو وہ معروف عام ہے اور دوسرے ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے۔

اس کے پیچھے یہ نفسیاتی حقیقت ہے کہ آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے' اس کے لئے چیلنج بھی اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں۔ اسکی بشریت جتنی عظیم ہوتی ہے' اس کے لئے اِبتلاء اور آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے۔ وہ ان سب کو ایک بشر کا طرح جھیلتا ہے اور کامیابی کے ساتھ بالاخر بشریت سے بہت آگے عبدیت کا اعلیٰ مقام پالیتا ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسے دوسروں کے لئے ہر حال میں اور ہر مقام پر کامل نمونہ بننا ہوتا ہے۔

کاملیت کے معاملے میں الٰہی سنت یہی رہی ہے۔ اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے انسانوں کی نسبت انبیاء کرام پر مصائب زیادہ آتے ہیں اور

Marfat.com

پیغمبروں میں بھی مجھ پر سب سے زیادہ مصائب وارد ہوئے۔

چونکہ نبی کی بشری زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہوتی ہے اس لئے اس کی امت کا پیرو اپنی زندگی کے مماثل حالات و واقعات دیکھ کر با آسانی ذہنی و روحانی طور پر صحت مند رویہ اختیار کرلیتا ہے۔ امت محمدیہ اس لحاظ سے خوش بخت ہے کہ اس کے افراد کے سامنے افضل البشر(ﷺ) اور کامل ترین انسان(ﷺ) کی زندگی کا نمونہ موجود ہے۔ ایسے ہی سرسری نظرڈالئے۔

آپﷺ پیدا ہوئے تو والد کا سایہ سر پر نہ تھا : یتیمی (پیدائش ۵۶۹ یا ۵۷۰ء)

چند سال بعد والدہ چل بسیں : دُہری یتیمی

کچھ عرصہ بعد سرپرست دادا کا انتقال : بے کسی

چچا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہاں رہ کر محنت وریاضت کی زندگی شروع کی : ذائقہء افلاس

بڑے ہو کر کسب معاش کیلئے تجارت شروع کی : سیاحت ومعاشرتی زندگی کے تجربات

ازدواجی زندگی : (i) خوشحالی کا دور

: (ii) شوہر اور باپ

: (iii) مکّہ کے لوگوں میں ”امین“ اور خدمتِ خلق کیلئے ہر آن مستعد

: (iv) غارِ حرا میں عبادت، ذکر و فکر، رؤیا و اسرارِ حقّہ کا دور

آپﷺ نے مکہ کی بستی میں چالیس برس کی عمر میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ غیب کے علوم آپ پر کھلنے لگے۔ قرآن آپ کے قلبِ اطہر پر نازل ہونے لگا اور ساتھ ہی مخالفت کا طوفان بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ اٹھا۔ یہاں تک کہ مکہ میں تیرہ سال آپ کو سیل بلا اور دریائے ملامت میں سے گذرنا پڑا۔ تفصیلات کتب تواریخ و سیر میں موجود ہیں۔ مکہ کے باشندوں میں سے بعض نے فی الفور وحی الٰہی کو قبول کر لیا اور دوسروں نے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو مکہ سے باہر مدینہ میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا گیا۔

مدینہ میں رہ کر آپﷺ نے دنیا کے سامنے امن و جنگ کے حالات میں اصلاح احوال کی روشن نظیر پیش کی۔ آپ نے یہود اور مشرکین کی سازشوں کو ناکام

Marfat.com

بنایا، قریش مکہ کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ عرب کے بدوؤں کی لوٹ مار کا سدباب کیا۔ روم و فارس کو دین نو اور قوم کی نئی حیثیت کا احساس دلایا۔ عرب و عجم کے امراء و کبار کو تبلیغی خطوط بھیجے اور عرب قبائل کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ایک نیا ماحول پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔

قیادت و سیادت کی ان تمام مصروفیات کے باوجود سید العرب و العجم ﷺ نے اپنی روزانہ زندگی میں ایک عام انسان کے لئے قابل عمل نمونہ بھی پیش کیا، شادیاں کیں، بچوں کی پرورش اور تربیت کی، بیماریوں اور تیمارداریوں کے تجربات میں سے گذرے، اموات کے صدمے دیکھے، گھروالوں کے اخراجات کا خیال رکھا، طرز زندگی اتنا سادہ اختیار کیا کہ نبیوں میں فقر آپ ﷺ کا طرۂ امتیاز ٹھہرا اور اسے آپ نے اپنے لئے باعث فخر کہا۔ آپ خواہ گھر میں رہے یا مسجد میں، لبستی میں رہے یا میدان جنگ میں، آپ کی پاکیزہ زندگی اپنوں اور بیگانوں سب کے لئے ایک روشن مثال رہی، مخالفت کے تمام طوفانوں میں کسی حاسد یا دشمن کو آپ ﷺ کی زندگی کے معاملات میں معمولی سی خامی بھی نہ مل سکی، جس کی نشاندہی کرتے یا جسے آپ کی تعلیم کے خلاف بہانہ کے طور پر پیش کرتے۔

آپ ﷺ کے گرد جو لوگ اکٹھے ہوئے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جدوجہد میں حصہ لیا اور امن و جنگ کے ماحول میں آپ ﷺ کی پیروی کی۔ تاریخ میں ایسے مرتبہ و مالک بنے کہ لوگ بڑے بڑے مرتبے پائیں گے مگر اب ان جیسا کوئی نہ ہو گا۔ آپ ﷺ نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ مل کر دین کو مستحکم کیا۔ کفار مغلوب ہوئے۔ مکہ فتح ہوگیا اور بیت اللہ کو خدائے واحد کی عبادت کے لئے پاک و صاف کر دیا گیا۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں وفات پائی اور مدینہ میں ہی آپ ﷺ کا روضہ مطہر تمام جہاں کے روحانیوں یعنی ولیوں اور فرشتوں کی محبت کا مرکز ہے جس کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ محض اس کے تصور سے ہی دل پر نور برسنے لگتا ہے۔ وفات کے بعد آپ ﷺ کی روحانی تاثیر ایک ایسا بھید ہے جس سے واقف ہونے کے لئے صرف صاحب

Marfat.com

جذب و ذوق ہونا شرط ہے۔ (وصال ۶۳۲ء / ربیع الاول ۱۱ ہجری)

تاریخ کا وہ دور جس میں اللہ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ مسلمانوں کی دینی و دنیوی زندگی کا سرمایہ ہے' بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ دور انسانی تہذیب کے ارتقاء کا حاصل ہے۔ بعد میں آنے والے اس قافلے سے دور کے تعلق کو بھی اپنے لئے باعث صد عزو شرف تصور کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔

دَر قافلہء کہ اوست دانم نہ رَسَم
اِیں بَس کہ رَسد ز دُور بانگِ جَرَسم

ابھی یہ دنیا شاید مہ و سال کی گردشوں سے گذرے گی مگر تاریخ کے اس مخصوص دور میں اعلیٰ ترین عالمگیر تہذیبی و ثقافتی اقدار کی حفاظت کرنے والے اس گروہ اور اس کے سالار کی فضیلت کو کوئی نہ پہنچ پائے گا۔ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ بعد میں آنے والوں کی عظمتیں صرف ان کی اطاعت و متابعت پر منحصر رہیں گی۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد طلوع آفتاب کی مانند تھی۔ کہ ہر قسم کی ظلمت چھٹ گئی اور کوئی کونا ایسا نہ رہا جو روشنی سے محروم رہ گیا ہو۔ حقیقت محمدیہ (ﷺ) جو تمام نبیوں کی ذات میں زمانے کی مقتضیات کے مطابق جھلک دکھلاتی رہی تھی' آپ ﷺ کی ذات اقدس میں مکمل طور پر جلوہ گر ہوئی اور آپ ﷺ کے ان کامل و اکمل خصائص کی وجہ سے آپ کی امت بھی فضیلت کی مستحق ٹھہری۔ آپ ﷺ کی عظیم شخصیت روحانیت کے انوار کا مہبط بنی اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کے قلوب ان الوہی انوار سے منّور ہو گئے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کو دنیا نے اس طرح قبول کیا جس طرح ایک تشنہ لب مسافر تازہ پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لیتا ہے۔ اس تعلیم میں کوئی تضاد ہے نہ اختلاف' ہر بات اس میں واضح ہے۔ اگر ظاہر کی آراستگی کے بارے میں بین احکام موجود ہیں تو باطن کی صفائی کے بارے میں بھی تاکید موجود ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس عظیم نبی (ﷺ)' عظیم انسان (ﷺ) اور حقیقت محمدیہ (ﷺ) کے مظہر تامہ کی تعلیم سے کہیں بھی کوئی کچھ بہرہ ور ہوا تو اس کی شخصیت ایک ایسا چراغ بن گئی جس

Marfat.com

سے کئی چراغ جل اٹھے۔

بادشاہ، سپہ سالار، مقنن، مفکر، معلم، درویش، عابد و زاہد سب حیثیات محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں جمع ہو گئی تھیں لیکن بعد میں یہی خصوصیات آپ ﷺ کی امت کے افراد میں فرداً" فرداً" بھی ظاہر ہو کر چمکیں تو رفعتوں نے ان کے قدم چومے

شوکتِ سَنجر و سَلیم، تیرے جَلال کی نمُود
فقرِ جُنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں تمام اعلیٰ مراتب جمع ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے مرتبہ رسالت کو کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے تو وہ ہے معلم۔ حدیث **اِنَّمَا بُعِثتُ مُعَلِّماً**" اسی امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

نبی علمِ لدُنّی کا مدعی ہوتا ہے۔ وہ ایسے مقام علم پر فائز ہوتا ہے کہ تمام اوہام و عقائد باطلہ اس کی سیدھی سادگی ستھری تعلیم کے سامنے معدوم ہو جاتے ہیں۔ اس کی تعلیم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر کا حصہ طریق عبادات، قانون اور معاشرتی عدل و انصاف سے تعلق رکھتا ہے اور باطن کا حصہ قلب و روح کی پاکیزگی نیت و ارادہ کی یکسوئی اور دینی جذبہ و احساس سے متعلق ہے۔ دراصل یہی حصہ پیغمبر کی تعلیم کا مغز یا اصل روح ہوتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا علم جب نسلوں میں منتقل ہوا تو دو طبقے اس کے وارث بنے۔ علماء اور فقراء کے طبقے، مگر واضح رہے کہ یہ دو طبقوں والی بات محض تفہیم کی خاطر یا مطلب کی وضاحت کے لئے ہے۔ ورنہ دراصل یہ ایک ہی گروہ ہے، صرف بعض خصائص کی کمی بیشی یا تاکید و تائید کی وجہ سے ہم دو طبقے کہہ رہے ہیں۔ علماء نے علوم ظاہری یعنی فقہ و قانون وغیرہ کی تدوین و تدریس کا کام اپنے ذمہ لیا اور فقراء دینی نفسیات کے ماہر اور روحانی واردات و تجلیات کے مورد قرار پائے۔ اسی بات کو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ علماء رسول اللہ ﷺ کے قال کے وارث ہیں تو فقراء رسول اللہ ﷺ کے حال کے وارث ہیں۔

Marfat.com

جس طرح علماء کی مساعی سے فقہ و حدیث اور تفسیر و تاریخ کے علوم مدون ہوئے۔ اسی طرح فقراء نے قربِ الٰہی' روحانی انعامات اور مکارم اخلاق کے علم و عمل سے دنیا کو مستفیض کیا مگر جیسا کہ کہا گیا ہے ان طبقوں کے افراد کی حیثیت میں کوئی واضح خط متارکہ موجود نہیں ہے۔ فقراء کے طبقے میں تو سبھی ایسے ہوتے ہیں جن کے قلوب ذوق و شوق اتباع سنت کے فیض کی وجہ سے براہ راست علوم شریعت سے مطلع رہتے ہیں مگر علماء کے طبقہ میں بھی کئی ایسے باعمل ہوتے ہیں جو فقراء کامل کے مراتب حاصل کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرام' علماء باعمل اور فقراء کامل کو اجر عظیم عطا کرے جنہوں نے ہمیں انسان کامل کے درجہ و مرتبہ کا نشان دیا۔ جنہوں نے اس کے وجود کی معرفت پر غور کیا اور جو کچھ ان پر منکشف ہوا' اسے ہم پر ظاہر کر دیا اور یوں ہمارے قلوب و ارواح کو آپ ﷺ کی محبت و معرفت سے منور کرنے میں مد ہوئے۔

پھر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں انسان کامل محمد رسول اللہ ﷺ پر جن کے بارے میں کہا گیا اَللّٰہُ یَتَجَلّٰی بِصُوْرَۃِ مُحَمَّدٍ (اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں تجلی فرمائی) جن کی خدمت میں ایک شاعر نے یوں عرض کر کے آگے بات کرنے کی گنجائش ہی ختم کر دی۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ طَلْعَۃِ الذَّاتِ الْمُطَلْسَمِ وَ الْغَیْثِ الْمُطَطَّمِ وَ الْکَمَالِ الْمُکْتَتَمِ وَ نَاسُوْتِ الْوِصَالِ وَ طَلْعَۃِ الْحَقِّ وَ ھُوِیَّتِ اِنْسَانِ الْاَزَلِ فِیْ نَشْاَۃِ مَنْ لَّمْ یَزَلْ مَنْ اُقِیْمَتْ بِہٖ نَوَامِیْتِ الْفَرْقِ اِلیٰ طَرِیْقِ الْحَقِّ فَصَلِّ اَللّٰھُمَّ بِہٖ مِنْہُ فِیْہِ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا"۔

(شیخ الاکبر محیّ الدیّن ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ)

(اے اللہ! رحمت نازل فرما (محمّد رسول اللہ ﷺ پر) جو صُورتِ مظہر عجائب ہیں اور (رحمتِ کاملہ) کی بارانِ کثیر' جو مخفی کمال کا نمونہ ہیں۔ جن کا جسمِ پاک مجسّم وصال ہے اور بطن روحِ وصال' جن کی صُورت میں حق نے ظہور فرمایا جو انسان ازلی کی ماہیت کی

Marfat.com

حقیقت ہیں جن کے ذریعہ مظاہر کونیہ کو تو نے طریق حق پر قائم کیا پس انہی کی وساطت سے، خود انہی (ﷺ) سے، ان (ﷺ) پر رحمتیں نازل فرما اور ان پر (ﷺ) پر تیری طرف سے سلامتی ہو، اعلیٰ درجہ کی سلامتی)

1 :- رسالہ رُوحی شریف از حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ۔حضرت غُلام دستگیر اکادمی۔ دربار حضرت سُلطان باھُو ۱۹۹۰ء۔

2 :- شجرۃ الکون ترجمہ انگریزی اے۔ جیفری۔ عزیز پبلشرز لاہور ۱۹۸۰ء۔ صفحہ ۶۸۔

3 :- انسان کامل۔ حضرت سید عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ۔اردو ترجمہ مولوی فضل میراں، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۷ء صفحہ ۳۳۷۔

4 :- شجرۃ الکون، حضرت ابن عربی انگریزی ترجمہ صفحہ ۶۸۔

5 :- انسان کامل، الجیلی رحمتہ اللہ علیہ،صفحہ ۳۴۰۔

6 :- قرآن مجید، سورۃ الکہف آیت ۱۱۰۔

7 :- قرآن مجید، سورۃ الاعراف آیت ۱۹۸۔

8 :- تذکرہ حضرت شاہ رُکن عالم ملتانی مرتبہ مولانا نُور احمد خان فریدی۔

Marfat.com

مِعراج

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۝

(القرآن الحکیم ۔ ۱۵۔۱)

(پاک ذات ہے جو اپنے بندے کو راتی رات ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک لے گیا جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ اس کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھا دیں۔ وہی سُنتا دیکھتا ہے)۔

"جس کے صدر کا شرح ہوا' جس کا سینہ کھولا گیا' جس کے ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ باطنی احساسات بھی جگا دیئے گئے' لوگ اس کو سن کر پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ حالانکہ جن کے لطائف و اسرار صاف ہیں اور ان لطائف کو تقریباً ہر شخص صاف کر سکتا ہے' ان سے اگر پوچھا جاتا تو اس کی تصدیق کرتے۔۔۔۔ اور بات یہ ہے کہ جو کچھ دکھایا جانے والا تھا' کیا ہوا اگر کسی شان میں وہ کچھ دن پہلے دکھایا گیا' ہزارہا پیغمبروں سے کل آٹھ پیغمبروں اور ان میں بھی آدم علیہ السلام سے شروع کرکے معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت پر' اس شخص کی ملاقات کیوں ختم ہو گئی جو آدم علیہ السلام کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچا اور جب مکہ فتح ہو گیا' اس کا کام بھی ختم ہو گیا۔۔۔۔ جس نے دیکھا اور جنہیں دکھایا گیا' دونوں کی زندگیوں پر غور کرو' نظر آئے گا کہ جو ہونے والا تھا وہ کسی رنگ میں اس وقت ہو رہا تھا۔ حالانکہ انہی واقعات کے سلسلہ میں جب صرف "زندگی" نہیں بلکہ "امانتِ کبریٰ" کی زندگی' اقصیٰ کی مسجد میں دکھائی گئی تو اس وقت آٹھ ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے پیغمبر اس امام کے پیچھے کھڑے نظر آئے جو نوع انساں کا سب سے بڑا امام ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیۡہِ وَسَلِّم۔"

(النبّی الخاتم۔ سیّد مناظر احسن گیلانی)

Marfat.com

مقام : چچا زاد بہن' اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہند بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا گھر (مکّہ)
وقت : بعد از نماز عشاء

پھر مسجد حرام میں حطیم میں جا لیٹے۔ سوتے جاگتے کی کیفیت تھی کہ تین شخص آئے۔ ایک نے کہا : وہ کون ہیں؟ دوسرے نے کہا : وہ جو سب سے اچھے ہیں۔ تیسرا بولا : تو پھر جو سب سے اچھا ہے' اسی کو لے لو---- اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لے گئے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سینہ چاک کیا گیا۔ قلب کو آب زمزم سے دھویا گیا اور ایمان و حکمت سے اسے بھر دیا گیا' پھر اسے درست کر دیا گیا۔

تب آپ کے پاس ایک سفید رنگ کا جانور لایا گیا جو تقریباً" خچر کے برابر تھا' اس پر زین اور لگام لگا ہوا تھا۔ آپ اس پر سوار ہوئے۔ جبریل علیہ السلام نے رکاب تھامی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام۔ براق کہ اس جانور کا یہی نام تھا' روانہ ہوا۔ ایک وادی سے گذرے جہاں کھجوروں کے درخت تھے۔ یہاں آپ نے نماز پڑھی یہ یثرب کی زمین تھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے آنے والے تھے۔ پھر ایک سفید قطعہء زمین سے گذرے' یہاں بھی اتر کر نماز پڑھی' جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ جگہ مدین تھی۔ پھر بیت اللحم پر سے گذرے' یہ عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش تھی' یہاں بھی نماز پڑھی اور طور سیناء پر بھی۔

اس سفر میں برزخ کے عجائبات آپ کے سامنے کھل گئے۔ آپ نے سر راہ کھڑی بڑھیا کو دیکھا جو دنیا تھی' ایک بوڑھے کو بلاتے سنا جو ابلیس تھا۔ پھر کچھ لوگوں کو کہتے سنا : **اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَا اَوّلُ' اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَا آخِرُ' اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَا حَاشِرُ'** (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اُن کو جواب دیا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام' حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تھے۔ پھر آپ نے برزخ میں عذاب کے مناظر دیکھے' جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا۔ آپ کا بعض انبیاء علیہم السلام پر گذر ہوا جن کی امتیں ان کے ساتھ تھیں' ایک عظیم الشان مجمع کو دیکھا جس نے آفاق کو گھیر رکھا

Marfat.com

تھا۔ کہا گیا کہ یہ آپ کی اُمت ہے۔

بَیت المَقدس پہنچے تو بُراق سے اُتر کر مسجد میں تشریف لے گئے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ وہاں سے آسمانوں پر گئے تو ارواح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام' حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام' سب نے اپنے رب کی ثناء کی اور وہ نعمتیں گنوائیں جو اللہ نے انہیں عطا کی تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے رب کی ثناء کی اور ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کیا جو اللہ نے آپ کو اور آپ کی امت کو عطا کیں۔ قرآن عظیم' امت عادلہ' خود نور میں اول اور ظہور میں آخر' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بس محمد ﷺ' تم سب سے فائق ہو گئے۔

پھر آپ ﷺ کے سامنے شراب اور دودھ کے پیالے پیش کئے گئے۔ آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا۔

تب آسمانوں کی طرف سفر شروع ہوا۔ ساتوں آسمانوں سے گذرے۔ ہر آسمان پر ارواح انبیاء سابق سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملے۔ جو بیت المعمور سے کمر لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے "مرحبا فرزند صالح اور نبی صالح" کہہ کر آپ کا استقبال کیا۔ بیت المعمور میں آپ نے نماز پڑھی۔

پھر آخری سرے پر سِدرۃُ المُنتٰہی تک پہنچے۔ آخری سرے پر بیری کا درخت جس کے بیر اور پتے بڑے بڑے تھے۔ وہاں دو نہریں اندر کو جا رہی تھیں۔ یہ جنت کی نہریں تھیں اور دو باہر کو آ رہی تھیں جو نیل اور فرات تھے۔ پھر آپ نے کوثر اور سلسبیل کو دیکھا اور وہاں سے آگے جنت میں داخل ہوئے جہاں موتیوں کے گنبد تھے اور مٹی اس کی مشک تھی۔

اس کے بعد دوزخ آپ کے رُوبرو کی گئی: "اس میں اللہ کا غضب اور عذاب اور انتقام تھا۔"

ایک ہموار میدان میں پہنچے۔ جہاں آپ نے قلموں کی آواز سنی' احکام فرائض

Marfat.com

لکھے جا رہے تھے۔۔۔۔ پھر ایک مقام آ گیا جہاں سے آگے جبریل علیہ السلام نہ جا سکے۔ جہاں تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ منقطع ہو گئی' وہاں آپ کو ایک سبز مسند پر بٹھا کر عرش تک لے جایا گیا۔ وہاں آپ نے ایسا امر عظیم دیکھا کہ زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی۔۔۔۔ وہاں آپ نے اپنے رب کو دیکھا۔ آپ کو بشارت دی گئی کہ آپ حبیب اللہ ہیں اور آپ کی امت بہترین امت ہے۔۔۔۔ پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

پھر زمین کی طرف واپسی ہوئی۔ فجر سے پہلے آپ حطیم میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں سے آپ اپنی عم زاد اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر گئے اور نماز فجر ادا کی۔

"آپ نے ایک شب میں حرمِ مکّہ سے حرمِ بیت المقدس تک سَیر فرمائی' جیسے چودھویں رات کا چاند اندھیری رات میں چلے۔

اور ترقی کرتے گئے یہاں تک کہ قاب قوسین کے رتبہ کو پہنچے جو نہ ادراک کیا جاتا ہے اور نہ طلب کیا جاتا ہے۔

اور اس رُتبہ کے سبب سب انبیاء و مُرسلین نے آپ کا خیر مقدم کیا' جیسے خادم اپنے مخدوم کی تقدیم کرتے ہیں۔

اور آپ آسمان کے ساتوں طبَق شگاف کرتے چلے گئے جیسے ایک لشکر کہ آپ اس کے صاحب نشان ہوں۔

یہاں تک کہ ایسے وِصال سے بَہرہ ور ہوئے جو کمال پوشیدہ ہے آنکھوں سے اور ایسے راز سے جو نہایت پوشیدہ ہے۔

پس آپ کو ایسے رتبے حاصل ہوئے جو باعث فخر ہیں اور کوئی ان میں شریک نہیں اور آپ ہر مقام سے گذرے کہ وہاں کوئی اور نہ تھا۔

اور بزرگی میں وہ رُتبے بہت ہیں جو آپ کو دیئے گئے اور وہ نعمتیں کسی کے ادراک میں نہ آئیں جو آپ کو عطا ہوئیں۔"

(قصیدہ بُردہ - امام بُوصیری رحمتہ اللہ علیہ)

Marfat.com

بوَد بیک لحظہ دراں نیم شب آمدن و رفتنِ او ای عجَب
بود بلی نُور زمین آسمان دَر سفر نُور نگنجد زمان
عَالَم ازاں نُور بود مُستنیز دست بزن جاؔمی و دامانش گیر
بو کہ آنجا بضیائی رَسی راہ بیابی و بجائی رسی
(تُحفتہ الاحرار – جاؔمی رحمتہ اللہ علیہ)

Marfat.com

Marfat.com

شمعِ مہار

طریقہ شیخین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

Marfat.com

Marfat.com

طَریقت کے شیخین

خاتمُ الانبیاء و المرسلین حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے فقر و ولایت کی روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسط سے آگے چلی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو طریقت کے تمام سلسلوں کے مُسلّمہ امام ہیں۔ البتہ طریقہء خواجگان کے مشائخ اپنا سلسلہء تعلیمِ باطن گو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ملاتے ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا شیخ طریقت مانتے ہیں جن سے آگے اس سلسلہ میں فیضِ رُوحانی جاری ہوا۔ خواجگان نقشبندیہ مجددّیہ کے تذکرہ "جواہرِ علویہ" میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات میں لکھا ہے کہ طریقت میں آپ رضی اللہ عنہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نیز جناب امیرالمومنین علی مُرتضٰی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابُوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ

صاحبِ رسُول ' رَفیقِ رسُول (القرآن الحکیم)

"فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ اِذْیَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (التوبہ۔ ۴۰)

(ان کی مدد اللہ کر چکا ہے جب ان کو کافروں نے وطن سے نِکال دیا تھا۔ جب کہ دو میں سے ایک وہ تھے۔ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو' بے شک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے)

"امامِ طریقت و مُقتداء اہلِ تصوّف------

یہی وہ پاک باطن تھے جن کا دل اغیار سے اس قدر صاف تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی آپ کی ہستی کا ہمسر کوئی نہ تھا......

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستیء مبارک وہ ہستی ہے کہ افضلُ البَشَر بعد الانبیاء ہیں۔ اُن سے بڑھ کر قدم اُٹھانا روا نہیں۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے عبد صادق کو کمال صدق پر پہنچا دیتا ہے اور درجہء تمکین کے ساتھ معزز و ممتاز بنا دیتا ہے تو وہ کسی معاملہ کو اپنے اختیار میں نہیں رکھتا------ جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے ابتداء میں بھی تسلیم ہی اختیار فرمائی اور انتہاء تک اسی تسلیم و رضا کے محور پر رہے۔ چنانچہ تسلیم و رضا کے مسئلہ میں بھی جتنے بعد میں ہوئے' سب کے سب اسی ہستی کو اپنا امام و پیشوا مانتے چلے آ رہے ہیں اور آپ تمام ارباب تسلیم و رضا کے امام اور اہل طریقت کے پیشوا خاص ہیں' (رضی اللہ عنہ)""

(کشف المحجوب ۔ ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری رحمتہ اللہ علیہ)

Marfat.com

"اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف صحبت کے باوجود نسبت باطن امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کی ہے بلکہ تینوں خلفائے راشدین امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کی نسبت حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہی ہے اور باطنی و ظاہری تربیت انہی سے پائی ہے۔ مذہب حق کی تحقیق یہی ہے جیسا کہ قطب الاولیاء خواجہ محمد پارسا قدس سرہ' نے اس بارہ میں رسالہ قدسیہ میں تصریح کی ہے۔"

(لمحات من نفحات القدس۔ شیخ محمد عالم رحمتہ اللہ علیہ)

نام و نسب: عبداللہ

کنیت و لقب: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' ابوبکر رضی اللہ عنہ بن قحافہ رضی اللہ عنہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب

والدہ: سلمیٰ بنت صخر

تاریخ پیدائش: واقعہ ء فیل کے دو سال چار ماہ بعد

اٹھارہ سال کی عمر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آئے۔ بیس سال کی عمر میں آپ کے ساتھ سفر کیا اور کئی نشانیاں دیکھیں۔ بعدہ' عمر بھر نبی علیہ الصلواۃ و السلام کے ساتھ ایسا تعلق رہا کہ سوانح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر باب کی ہر فصل میں کئی کئی بار آپ کا ذکر ملے گا۔ اس بات کی اہمیت و فضیلت کو وہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں صحبت و مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز تاثیر کی صحیح معرفت حاصل ہے۔ اگر اور بہت سی باتوں کا تذکرہ نہ بھی کیا جائے تو صرف یہی ایک بات ہر پہلو اور ہر لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ ء عالی پر دال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر مردوں میں سب سے پہلے آپ ایمان لائے۔

مکی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔

اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی۔

Marfat.com

غزوات میں آپ ﷺ کے ہمراہ رہے۔

آپ حضور ﷺ کے مشیر اعلیٰ تھے۔

دین اسلام کی خدمت میں آپ سے کوئی آگے نہ بڑھ سکا۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔

۱۳ھ میں وفات پائی اور حضور ﷺ کے روضہ مبارک میں دفن ہوئے۔

فرمایا: کاش میں درخت ہوتا، کھایا جاتا اور کاٹا جاتا۔

فرمایا: کاش میں گھاس ہوتا کہ چارپائے کھاتے۔

فرمایا: کاش، میں مومن کے بدن کا بال ہوتا۔

فرمایا: مسلمان کو ہر چیز کا اجر دیا جائے گا۔ کانٹے کے لگنے میں اور تسمہ کے ٹوٹنے میں۔

ایک پرندہ کو سایہ میں بیٹھا دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا:

"اے پرندے! تیری زندگی اور عیش بہت اچھا ہے۔ تو درخت کے پھل کھاتا ہے اور اس کے نیچے سائے میں بیٹھتا ہے اور اس کا حساب نہیں دے گا۔ اے کاش میں بھی تیری مانند ہوتا!"

Marfat.com

حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ'

"اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا" (حدیث رسول اللہ ﷺ)

(میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں)

"برادرِ مصطفیٰ' غریقِ بحرِ بلا' حریقِ نارِ ولا' مُقتداء اولیاء و اصفیاء' اُن کی شان جادۂ طریقت میں بڑی ارفع و اعلیٰ ہے اور بیانِ حقیقت میں ان کی باریک بینی بہت بلند ہے' آپ کا اصولِ حقائق میں خاص حصّہ تھا۔ حتیٰ کہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ان کی شان میں فرماتے ہیں: شَیْخُنَا فِی الْاُصُوْلِ وَ الْبَلَاءِ عَلِیٌّ الْمُرْتَضٰی"۔

(کشف المحجوب۔ ابوالحسن سیّد علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ)

"آنحضرت ﷺ کی اُمّت میں سے جس شخص نے کہ سب سے پہلے "جذب" کا دروازہ کھولا اور اس راہ پر وہ سب سے پہلے گامزن ہوئے' وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ' ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے تمام سلسلے ان کی طرف منسوب ہیں۔ گو ان سلسلوں کا تعلق باعتبار روایت کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ آخر حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کون سا خصوصی علاقہ تھا جو آپ کا دوسروں کے ساتھ نہ تھا لیکن اس کے باوجود تمام کے تمام صوفیاء کا "نسلاً بعد نسلاً" اس بات پر اتفاق چلا آتا ہے کہ طریقت کے سارے سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہیں۔ ظاہر ہے ان بزرگوں کا یہ اتفاق بغیر کسی وجہ کے نہیں ہو سکتا۔ فقیر کے نزدیک چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس امت کے پہلے مجذوب ہیں' اس لئے طریقت کے تمام سلسلے آپ کی طرف منسوب

Marfat.com

ہیں۔"

(ھمعات ۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ)

"مرکز دائرۂ ولایت حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔"

(جواہرِ علویہ)

نام: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

کُنیّت: ابُوالحسن، ابُوتُراب

پیدائش: خانۂ کعبہ کے اندر

وفات: شہادت (مسجد میں ایک خارجی کے ہاتھوں شہید ہوئے)

کسے را مُیسّر نہ شُد اِیں سَعادت
بکعبہ وِلادت، بمسجد شہادت

آٹھ سال کی عُمر میں ایمان لائے اور ساری عمر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹے اور دوسرے روز لوگوں کی امانتیں لوٹائیں۔ اور بعد ازاں مدینہ پہنچے۔ ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نِکاح ہوا۔

غزوات میں شریک رہے۔ خیبر کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب خاص نیز کاتبِ وحی تھے۔ یمن کے قاضی رہے۔ آپ وصیءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کے سامنے اعلان فرمایا تھا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مشیر رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوئے۔ مگر ایک پل بھی آرام نہ ملا۔ جنگیں، دارالحکومت کی کُوفہ منتقلی، فسادات، بغاوتیں، امن و عدل قائم کرنے کی کوششیں، مسلسل مشقت و ریاضت و مجاہدات، شہادت---۶۶۱ء/۴۱ ھجری---

وصال سے کچھ پہلے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ فرمایا:
"نہیں، میں تمہیں اس حال میں چھوڑ جاؤں گا جس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

چھوڑ گئے تھے۔"

آپ کے فضائل بے شمار ہیں۔ حضرت احمد بن حُنبل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی صحابی کی احادیث فضائل میرے علم میں نہیں لائی گئیں۔

کہا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھ خلفاء تھے۔ امیرالمومنین حضرت حسن رضی اللہ عنہ' حضرت حسین رضی اللہ عنہ' حضرت کمیل رضی اللہ عنہ' حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ' قاضی عبدالمقدام شریح بن ہانی رحمتہ اللہ علیہ' خواجہ حسَن بصَری رحمتہ اللہ علیہ' فُقرائے عِظام اور مشائخ ذوی الاکرام کے تمام سِلسلہ ہائے تصوّف اسی واسطے سے جاری ہوئے اور رُوئے زمین پر یہ سلسلے پھیلے۔ (تذکرہ سیر الاقطاب)

فرمایا: نصیحتیں کتنی زیادہ ہیں اور ان سے اثر لینا کتنا کم ہے۔

فرمایا: حِکمت کی بات سے خاموشی اختیار کرنا کوئی خوبی نہیں' جس طرح جہالت کے ساتھ کرنے میں کوئی بھلائی نہیں۔

فرمایا: جو اپنے اندرونی معاملات کو درست رکھتا ہے' خدا اس کے ظاہر کو بھی درست کر دیتا ہے اور جو دین کے لئے سرگرمِ عمل ہوتا ہے' اللہ اس کے دنیا کے کاموں کو پورا کر دیتا ہے اور جو اپنے اور اللہ کے درمیان خوش معاملگی رکھتا ہے' خدا اس کے اور بندوں کے درمیان کے معاملات ٹھیک کر دیتا ہے۔

Marfat.com

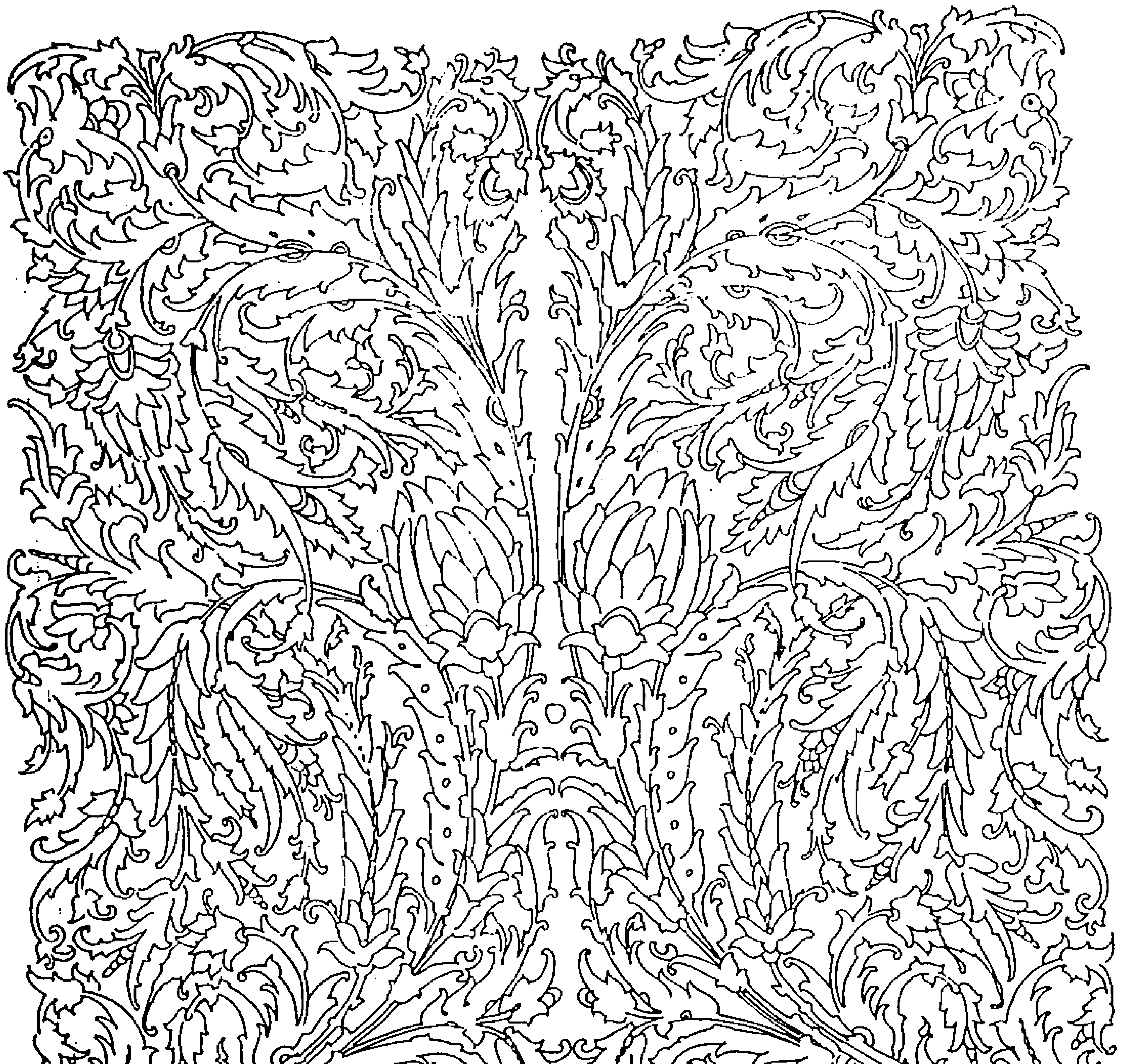

Marfat.com

شمعِ جمال

حضرت غوث الاعظم

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ قادریہ - شجرۂ طریقت

Marfat.com

Marfat.com

حضرت غوث الاعظم
شیخ عبد القادر جیلانی
قدس سرہ النورانی

چھٹی صدی عیسوی کے نصف اوّل میں تاریخ اسلام کے صفحات پر نظر ڈالئے تو حالات' واقعات اور شخصیات کی عجیب رنگا رنگی نظر آتی ہے۔

وسیع و عریض اسلامی سلطنت کے مختلف ممالک میں وقتاً" فوقتاً" خانہ جنگی برپا رہتی تھی۔ راستے پر امن نہیں تھے۔ باطنیوں کی شورشیں جاری تھیں' دوسری طرف صلیبی جنگیں لڑی جا رہی تھیں' فاطمیوں کی "مصری حکومت میں کوئی دم نہ تھا' وہ دوسروں کے سہارے جی رہی تھی۔" بغداد میں جلوہ افروز خلفائے بنو عباس اگرچہ اپنا کچھ دبدبہ رکھتے تھے مگر وہاں سلاطین سلاجقہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا جو عباسی خلفاء کے ساتھ عقیدت مندی کا برتاؤ رکھتے تھے۔

بظاہر بغداد عروس البلاد تھا اور کافی حد تک پرسکون مگر کبھی کبھی باہر کے حکمران بغداد پر بھی چڑھائی کرنے سے نہیں جھجکتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ مقتدر سلاطین اہل بغداد کی رائے کو خاصی اہمیت دیتے تھے اور اس کو بارونق اور شاندار دیکھنا چاہتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب سلطان محمود سلجوقی کو مشورہ دیا گیا کہ خلیفہ کو زیر کرنے کے لئے بغداد کو جلا کر ویران کر دیجئے تو اس نے انکار کیا اور کہا: "کل دنیا بھی بغداد کے برابر نہیں ہو سکتی۔"(۱)

اسلامی سلطنت میں اردگرد جا بجا بڑی قد آور شخصیات بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً سلاجقہ کے سلطان سنجر و طغرل' صلیبی جنگوں کے نامور مجاہدین عماد الدین زنگی' نور الدین محمود زنگی اور خود بغداد میں متمکن خلفائے بنو عباس بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں :

1 :- مستظہر باللہ (۴۸۷ ہجری تا ۵۱۵ھ) "جامع اوصاف خلیفہ تھا.... ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کا زمانہ رعایا کے لئے سرور و شادمانی کے لئے اور اپنی گوناگوں

Marfat.com

خوبیوں کے لئے گویا ہر روز روز عید تھا۔"(۲)

2 :- مسترشد باللہ (۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ) مدت خلافت ۱۷ برس چھ مہینے۔ باطنیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ "خبر جب بغداد پہنچی تو وہاں صف ماتم بچھ گئی' مرد گریباں چاک' پا برہنہ اور عورتیں پریشاں مو' سر پیٹتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں......
مسترشد شجاعت و شہامت' تدبیر و سیاست' فضل و کمال' زہد و ورع' ہر وصف میں کامل تھا۔ اس نے شجاعانہ کارناموں سے اپنے نامور اسلاف کی یاد تازہ کر دی اور عباسی خلافت کی رگوں میں خون زندگی دوڑا دیا۔"(۳)

3 :- راشد باللہ (۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ) گو معزول ہوا اور لوگوں کے ساتھ زیادتیاں بھی کیں اور پھر چند خراسانی باغیوں کے ہاتھوں قتل ہوا مگر بقول سیوطی "راشد فصیح و بلیغ تھا۔ ادیب و شاعر تھا۔ شجاع و بہادر تھا۔ فیاض و سیر چشم تھا' نیک سیرت تھا۔ برائیوں کو ناپسند کرتا تھا۔"(۴)

4 :- مقتفی لاء اللہ (۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ) مدت خلافت ۲۴ سال ۳ ماہ۔ "جامع کمالات خلیفہ تھا۔ اس میں تدبیر و سیاسات' شجاعت و شہامت' جرات و حوصلہ مندی' علم و عمل' فضل و کمال' زہد و ورع' حسن خلق' شرافت نفس' تمام دینی و دنیاوی محاسن و اوصاف جمع تھے۔"(۵)

5 :- مستنجد باللہ (۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ) "عدل پرور' رعایا نواز اور شفیق خلیفہ تھا۔"(۶)

گو خلفائے بغداد سب باصلاحیت تھے مگر وسیع و عریض سلطنت اسلامیہ کے حالات کچھ ایسے دگرگوں تھے کہ کہیں بھی حکومتوں کو استحکام حاصل نہ تھا۔ ہر طرف بے یقینی کی کیفیت تھی۔ بظاہر دولت کی ریل پیل تھی' ظاہری ٹھاٹھ باٹھ بہت تھا مگر حکومتی سطح پر سازشیں اور چھینا جھپٹی کے واقعات بتاتے تھے کہ خول قائم ہے مگر اندر بہت کچھ کھوکھلا ہو چکا ہے کیونکہ اوپر نیچے اخلاق و روحانیت کو روگ لگ چکا تھا۔ اس کے باوجود آئندہ نوے سال تک بغداد کا رعب قائم رہا۔ تا آنکہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کرکے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی:

Marfat.com

آسماں را حق بود گہ خون ببارد برزمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین(۷)

ان حالات میں ایک ایسی جامع کمالات ہستی نے ظہور فرمایا جو اگر ایک طرف جلال و جمال کی مظہر تھی تو دوسری طرف علم و فضل میں یکتا۔ اگر تصوف و فقر میں اس کی شان ممتاز تھی تو وعظ و خطابت میں بے مثال' جس کی پند و دانش کو اس کے سارے دور نے گوش دانش و ہوش کے ساتھ سنا۔ جس کی شخصیت نہ صرف اپنے زمانے کے مقتضیات کے لئے مفید تھی بلکہ علم ازلی میں آئندہ کے سارے زمانوں تک اس کی روحانیت کے فیض کا جاری رہنا مقدر ہو چکا تھا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جسے خود بھی اپنی بعثت اور اس کے مقصد کا احساس تھا۔

اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی فَلَکِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

(پہلوں کے آفتاب ڈوب گئے لیکن ہمارا آفتاب ہمیشہ بُلند آسمان پر چمکتا رہے گا اور کبھی غروب نہ ہو گا۔)

یہ تھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ۔ بعد کے ادوار میں جب علم و فضل' وعظ و خطابت اور پندودانش کے ثبوت کے لئے صرف مواعظ کے مجموعے رہ گئے تو تصوف و فقر کی دنیا میں آپ کے اعلیٰ و ممتاز مقام کو تسلیم کیا گیا۔ آپ کی زندہ روحانیت کی کرامات سے ہر زمانے کے لوگ مستفیض ہونے لگے۔ تاریخ دین اسلام میں آپ سُلطان الاولیاء اور غوث الاعظم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کو سُلطان الطریق و متصرّف دَر وجودِ عَلی التحقیق' سُلطانِ وجُود' قُطب الاقطاب' قُطبِ اولیاء' سیّد الافراد' امامُ المقرّبین' اکمل العارفین' قُدوۃُ اربابِ تمکین اور افضلِ اہلِ صحو کہا گیا ہے۔ صاحبِ "نفحات الانس" کی روایات کے مطابق آپ کے ہم عصروں نے آپ کو سُلطان الوقت و صاحب التصرّف فِیہ' سیّد العارفین اور قِبلتہ الواقدین کہا(۸) کیونکہ مشاہدے سے سب پر یہ امر واضح ہو گیا کہ جس مقام تک کسی اور کی دسترس نہ تھی تو وہاں حضرت غوث الاعظم کی قُوّتِ قُدسیہ سائل یا فریادی کا ہاتھ تھامنے کے لئے موجود تھی

Marfat.com

بلکہ ان کے سلسلہ کے مشائخ کو بھی یہ قدرت ودیعت کر دی گئی:

"عَارفِ کامِل قَادری بَہر قدُرتے قَادر و بَہر مَقام حَاضِر"(۹)

(جان لے کہ عارفِ کامِل قادری' ہَر قدُرت پر قادر اور ہر مقام پر حاضِر ہے۔)

آپ ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں طبرستان (فارس) کے علاقہ جیلان (۱۰) میں سادات کے ایک نجیبُ الطرفین گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان فَقر و پارسائی میں ممتاز تھا۔ والد کا اسم گرامی سید ابوصالح تھا اور والدہ کا نام اُمّ الخَیر فاطمہ جو ایک صَالِح بزرگ سید عبداللہ صومعی کی صاحبزادی تھیں۔

بچپن میں ہی باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا مگر والدہ اپنے لختِ جگر کی صلاحیتوں کو جانتی تھیں۔ انہوں نے سینے پر صبر کی سل رکھ لی اور بچے کو تقریباً" چار سو میل دور دارالخلافت بغداد میں تعلیم کے لئے بھیج دیا۔

۴۸۸ھ میں آپ بغداد میں وارد ہوئے۔ اس دور کے معروف اساتذہ سے متداول علوم کی تعلیم پائی مگر تعلیم کے بعد اپنے فطری میلان کے بموجب تکمیل کے لئے تصوف کی طرف چلے آئے۔ اس وقت صوفیاء بغداد کے حلقوں میں حماد بن دباس اور ابوسعید مخرمی رحمتہ اللہ علیہ کے گرد طالبان حق کے گروہ موجود تھے۔ آپ بھی ان میں شامل ہو گئے۔ آپ نے خوب سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر اپنے آپ کو آتش ریاضت کی بھٹی میں جھونک دیا اور برابر پچیس سال تک اس حال میں رہے۔

اس عرصے میں آپ نے اپنی ذہنی و روحانی شخصیت کے نکھار کے لئے ہر قسم کے چیلنج قبول کئے' بھوکے پیاسے رہے' کانٹوں بھرے راستوں پر چل کر دشت نوردی کی۔ لق و دق صحراؤں کی خاک چھانی' مگر جس حال میں بھی رہے' آپ کے شب و روز نماز' روزے اور قرآن خوانی میں گذرے۔ ان تمام حالات میں خضر علیہ السلام سمیت رجالِ غیب اور ہر قسم کے رُوحانی آپ کی حفاظت اور تربیت پر مامور رہے۔ خضر علیہ السّلام کی مدد سے آپ نے کئی رُوحانی مقامات طے کئے۔ حج کے سفر میں ولیوں کا ساتھ رہا۔ پہلے حج کے سفر میں آپ اور ایک ہم عصر ولی رفیق ہم سفر تھے کہ ایک

Marfat.com

نقاب پوش حبشیہ لڑکی آپ سے آکر ملی۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ تو آپ نے بتایا کہ آپ جیلان کے رہنے والے ہیں۔ اس نے کہا کہ اسے کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ ایک نوجوان فقیر کے دل کو اللہ نے اپنے نور سے بھر دیا ہے اور اسے اپنے خزینۂ فضل سے وہ کچھ دیا ہے جو کسی اور کو نہیں دیا اس لئے وہ زیارت کے لئے چلی آئی۔ چنانچہ وہ ایک طرف چلنے لگی اور کچھ دور تک ہمراہ رہی بعد میں وہ آپ کو مطاف میں ملی تو اس کی آواز آپ نے سنی' وہ کہہ رہی تھی:

"اے جوانِ صالح! آج تیرا عجب رُتبہ ہے۔ مَیں دیکھتی ہوں کہ تیرے سر پر ایک نُورانی شامیانہ ہے اور اس کے اردگرد آسمان تک فرشتوں کا ہجوم ہے اور تمام اولیاء اللہ کی نظریں تجھ پر لگی ہوئی ہیں۔"

ایسے کئی واقعات تذکروں میں ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ریاضت و ابتلاء کے اس دور میں رحمت الٰہی آپ کے شامل حال رہی اور فرشتوں' ولیوں اور عارفوں کی مدد سے آپ ہر مقام سے کامیاب و بامراد ہو کر گذرے۔ یہاں تک کہ آپ کی شخصیت نکھر اور سنور کر ہر زمانے کے سالکوں کے لئے سلطان و برہان بن گئی۔

تب خود رسول کریم ﷺ نے آپ کو رشد و ہدایت کے منصب پر فائز فرمایا اور حکم دیا کہ اب جاکر پندو نصیحت اور وعظ و تقریر کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کرو۔ آپ کچھ جھجکے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کو دیکھا کہ وہ بھی اس امر کی تائید فرما رہے ہیں۔ پھر جو درس و تدریس' وعظ و افتاء اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کی وفات تک تقریباً" چالیس سال کی مدت جاری رہا۔

شروع میں اپنے مواعظ میں آپ امر و نہی پر اکتفا کرتے تھے۔ آپ نے خود بیان فرمایا: "....خواب اور بیداری میں مجھ پر کلام غالب ہوتا تھا اور میرے دل پر اژدھام کرتا تھا اور میں قدرت نہیں رکھتا تھا کہ ساکت ہو جاتا اور میرے پاس دو یا تین آدمی بیٹھے ہوئے ہوتے تھے جو میرا کلام سنتے تھے۔ پھر لوگ زیادہ تر سننے لگے اور مجھ پر خلقت کے اژدھام ہونے لگے۔ جگہ تنگ ہونے لگی تو لوگ منبر شہر کے باہر اٹھا لے جاتے تھے اور خچروں اور گدھوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر میرے پاس آتے تھے اور

Marfat.com

مجلس کے پیچھے دیوار کی مانند کھڑے ہو جاتے تھے اور مجلس میں تقریباً" ستّر ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے۔"(۱۱)

ظاہر ہے آپ نے زیادہ تر وعظ و خطابت کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ اسی لئے مغربی مفکرین جو صرف کتابوں تک نظر رکھتے ہیں' آپ کو صرف ایک واعظ سمجھتے ہیں۔(۱۲) مگر ہماری زندہ روایات اور اسناد کی طرف ان کی نظر نہیں اٹھتی۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ آپ کے اپنے دور کے اہل اللہ اور بعد میں آنے والے عارفین و اولیائے کرام جو کچھ آپ کو سمجھتے ہیں' وہ ہمارے لئے سب سے بڑا ذریعۂ علم ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تو بہت بڑے ذیشان ولی تھے۔ ایک عام ولی کی بھی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اس کا قال نہ صرف حال ہوتا ہے بلکہ اس کی تاثیر سے دلوں کی دنیا بدل جاتی ہے۔

آپ کا وعظ بھی کسی عام خطیب کا وعظ نہ ہوتا تھا۔ آپ کے وعظ میں ہر قسم کے لوگ اور جن و ملائک جمع ہوتے تھے۔ اکثر آپ پر کشفی حالت طاری ہو جاتی تھی اور الہامی کلمات آپ کی زبان سے نکل کر لوگوں کے دلوں میں اترنے لگتے تھے۔

اپنے مواعظ کے ذریعہ آپ نے خلقت کو برسرعام نیکی اور بھلائی کی طرف بلایا' لوگوں کے دلوں کو حق کی طرف مائل کیا۔ ان کے اخلاقی اور روحانی روگ کو دور کرنے کی کوشش کی اور پھر اپنے حلقہ میں آپ نے ان کی تربیت کی۔ یہاں تک کہ ولایت کے مقام تک پہنچا دیا۔

ان مواعظ میں حاکمانِ وقت پر تنقید ہوتی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں خاموش سوالوں اور شکوک و شبہات کا جواب اور حل ہوتا تھا۔ اِصلاحِ کردار کے لئے مشورے ہوتے تھے اور حق و انصاف کی تاکید کی جاتی تھی۔

سب کو معلوم تھا کہ ہفتہ میں آپ تین بار وعظ فرماتے ہیں۔ جمعہ کی صبح' اتوار کی صبح اور منگل کی رات مقرر اوقات تھے۔ "آپ اونچے منبر پر کلام کرتے تھے اور آپ کے کلام میں بلند آوازی اور تیزی تھی۔ اور جب آپ کلام کرتے تھے تو لوگ خاموش ہو جاتے تھے اور جب آپ امر کرتے تھے تو اس کی فرمانبرداری کے لئے آدمی

Marfat.com

سبقت کرتے اور جو کوئی سخت دل آپ کو دیکھتا تھا تو نرم ہو جاتا تھا۔"(۱۳)

تذکروں میں آپ کی مجلس وعظ کی کیفیت کا ذکر ملتا ہے۔ لکھا ہے: "اور شیخ عبداللہ محمد بن خضر حسین موصلی نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا' وہ کہتے تھے کہ شیخ محی الدین عبدالقادر اپنی مجلس کے شروع میں گوناگوں علم کے کلام کرتے تھے اور آپ منبر پر جب چڑھ جاتے تو آپ کی ہیبت کے سبب کوئی شخص نہ تھوکتا' نہ سنکتا' نہ کھنکھارتا' نہ بولتا تھا۔ پھر حضرت غوث اعظم فرماتے کہ قال تو ہو چکا' اب ہم حال کی طرف رجوع لاتے ہیں پھر تو لوگ سخت اضطراب میں مضطرب ہو جاتے اور حال اور وجد ان کو آتے اور یہ امر آپ کی کرامات میں شمار کیا جاتا کہ دور والے لوگ بھی باوجود ان کی کثرت ہونے کے آپ کی آواز ویسی ہی سنا کرتے جیسے نزدیک والے سنتے اور آپ اہل مجلس کے خواطر پر کلام کرتے اور کشف کے ساتھ ان کی مزاحمت فرماتے اور منبر پر جب کھڑے ہو جاتے تو آپ کے جلال کے سبب سے لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور جب آپ فرماتے کہ چپ ہو جاؤ تو سب لوگ خاموش ہو جاتے' یہاں تک کہ آپ کی ہیبت کی وجہ سے بجز ان کی سانس کے اور کچھ نہیں سنا جاتا تھا...."(۱۴)

وعظ کے دوران میں آپ پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو اپنے مراتب روحانی اور تصرفات عالیہ کا بھی ذکر فرماتے تھے۔ جیسے ایک بار فرمایا: "میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔" یا فرمایا: "میری شمشیر برہنہ ہے اور میری کمان چلہ کشیدہ ہے اور میرے تیروں میں سونار ہیں اور میرے تیر نشانہ پر پہنچنے والے ہیں اور میرا نیزہ گڑا ہوا ہے اور میرا گھوڑا کسا ہوا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہوں اور میں احوال کا سلب کرنے والا ہوں اور میں ایسا سمندر ہوں جس کا کنارہ نہیں اور میں اپنے غیر میں کلام کرتا ہوں۔"(۱۵)

آپ نے اپنے فقیرانہ و عالمانہ منصب کے ساتھ مدرسہ کی سربراہی کی جہاں سے شاگرد گروہ در گروہ نکل کر اد یار و امصار میں پھیل گئے۔ آپ نے علم و فضل کی بھرپور اشاعت کی۔ فتوے جاری کئے اور اپنے مواعظ میں دینی و دنیاوی مسائل کی عقدہ کشائی کی جن کے حل سن کر لوگوں کے عقلیں دنگ رہ جاتی تھیں۔

Marfat.com

تذکروں میں آپ کے رہن سہن کے بارے میں بھی ارشادات ملتے ہیں۔ آپ نے ازدواجی زندگی بسر کی۔ بچوں کی تربیت کی۔ انہیں تعلیم دلائی اور عالم بنایا۔۔ لوگوں کی خدمت پر ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ فیاض' کریم الاخلاق' نیک خصلت۔ "فاحش آدمیوں سے بہت دور اور حق سے ملنے والوں سے بہت نزدیک تھے۔"

"آپ عالموں کا لباس پہنتے تھے اور چادر اوڑھتے تھے اور خچر پر سوار ہوتے تھے۔ بڑے ہیبت والے تھے۔ جب کسی کی طرف دیکھتے تو وہ آپ کے رعب سے عنقریب کانپنے لگتا اور جب آپ بیٹھتے تو لوگ آپ کے گرد حلقہ کر لیتے گویا کہ وہ لوگ آپ سے ڈرتے تھے۔۔۔۔ آپ لاغر جسم' میانہ قد' فراخ سینہ' چوڑی لمبی داڑھی' گندم گوں' پیوستہ ابرو اور صاحب بلند آواز تھے۔" (۱۶)

کرامت

ویسے تو ایک ولی اللہ کا وجود ہی سب سے بڑی کرامت ہوتا ہے۔ مگر عام لوگوں کے نزدیک محیر العقول باتیں کرامات کہلاتی ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بابرکات سے اس طرح کرامات کا صدور ہوتا تھا کہ لوگ جب چاہتے۔ بچشم خود دیکھ لیتے تھے۔ آپ کے ایک ہم عصر عقیدت مند ولی شیخ علی بن ہیتی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے: "میں نے اپنے زمانہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو صاحب کرامت نہیں پایا۔ ہم لوگوں میں سے جو کوئی جس وقت چاہتا' ان کی کرامت کا مشاہدہ کر لیتا۔" (۱۷)

آپ کو وہ طاقتیں بھی حاصل تھیں جو اللہ تعالیٰ خاص قسم کے ولیوں یعنی اقطاب و ابدال کو عطا کرتا ہے مگر آپ کو وہ یوں بدرجہء اتم حاصل تھیں کہ آپ غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ عام طور پر ولی دو الگ الگ شعبوں میں کام کرتے ہیں۔ ایک شعبہ وہ ہے جس پر ولی مسند ارشاد پر بیٹھ کر تعلیم و تربیت کا کام کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہے جس میں وہ چھپ چھپا کر کارکنانِ قضا و قدر کی حیثیت سے فرشتوں کی طرح لوگوں کی خدمت اور امداد پر مامور ہوتے ہیں۔ آپ میں یہ دونوں حیثیات جمع ہو گئی تھیں۔ اس لئے وعظ و تقریر کے ساتھ خلق خدا کی معاونت' فریاد رسی اور تکوینی خدمات کا کام بھی جاری رہتا تھا۔ آپ ابدال مقرر کرتے تھے اور ان کے فرائض کی بجا

Marfat.com

آوری کی نگرانی فرماتے تھے۔

آپ نے اپنے فرزندوں کے علاوہ اور کئی خلفاء تیار کئے جنہوں نے آپ کے بعد رشد و ہدایت کے کام کو جاری رکھا۔

خلیفہ مستنجد باللہ کے دور خلافت میں ۵۶۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔(۱۸) مرض الموت کی شدت کے دوران میں ایک بار فرمایا:

"مجھ میں اور تم میں اور تمام خلقت میں زمین اور آسمانوں کی دوری کے برابر فرق ہے۔ پس تم کسی کے اوپر مجھے قیاس نہ کرو اور نہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو۔ میں خلائق کے امورات اور ان کی عقلوں سے پرے ہوں......"(۱۹)

آپ اپنی زندگی میں بھی اپنے مریدوں کے حال اور مقام کے محافظ تھے اور ارباب حال جانتے ہیں کہ اب بھی اسی طرح ناصر و معاون ہیں۔ قصیدۂ غوثیہ میں فرمایا

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ
عَطَانِیْ رِفْعَۃً نِلْتُ الْمَنَالِ

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ
عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحَیُّ الدِّیْن اِسْمِیْ
وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَاْسِ الْجِبَالِ

(اے میرے مُرید، مت ڈر، اللہ میرا پروردگار ہے اور اس نے وہ رفعت عطا کی ہے کہ مَیں اپنی آرزوؤں کو پالیتا ہوں۔

اے میرے مُرید، کسی بد باطن سے مت ڈر، کیونکہ میں ثابت قدم اور دشمن کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ مَیں جیلان کا رہنے والا ہوں اور میرا نام محیّ الدّین ہے اور میرے جھنڈے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر لہرا رہے ہیں)۔

وصیّت: آپ کے فرزند شیخ عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ نے وصیت فرمانے کی

Marfat.com

درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کی عبادت واجب جانو اور کسی سے نہ ڈرو اور نہ کچھ امید رکھو اور سب حاجتیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو اور اس سے طلب کرو اور مولیٰ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ کرو اور بجز اس کے کسی پر اعتماد نہ رکھو۔ پاکی اسی کو ہے اور توحید سب کی جامع ہے۔(۲۰)

ایک خط : اے عزیز! خواہشاتِ نفسانی سے پرہیز کرو۔ **لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِهٖ** (خواہشاتِ نفسانی سے پرہیز کرو ورنہ راہِ الٰہی سے بھٹک جاؤ گے) اللہ کے ذکر سے غفلت نہ کرو۔ فاسق و فاجر جن کے دل سخت ہو گئے ہیں اور وہ یادِ الٰہی نہیں کرتے، ان سے علیحدہ رہو۔ **فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ** (سخت دِل لوگوں پر لعنت ہے جو اللہ کی یاد نہیں کرتے) موت جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کے آنے سے پہلے اللہ کے احکام کی تعمیل کرو اور منادی کا یہ اعلان **اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ** (مُسلمانوں کے دل ذِکرِ الٰہی کے لئے جُھکتے کیوں نہیں؟) کو ہوش کے کانوں سے سُنو۔ **اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى** (لوگوں کو کیا خیال ہو گیا ہے کہ وہ یُونہی چھوڑ دیئے جائیں گے) کی تنبیہہ پر کسی رات تو خواب غرور و تکبر سے بیدار رہو اور اہلِ دِل و اہلِ حضور **رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ** (جو ایسے لوگ ہیں کہ خرید و فروخت وغیرہ ان کو ذکرِ الٰہی سے باز نہیں رکھتی) سے مقاماتِ عالیہ کی خبریں دریافت کرو۔ کعبہء مقصود کے حصول میں سر پہ پاؤں رکھ کر جنگلوں کی مسافت طے کرو۔ پھر اللہ کی یکتائی کو لئے ہوئے **اُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ** (میں نے اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیا ہے) کے سامان کوچ کی معیت میں قافلہء اہلِ صداقت **كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ** (سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ) کے ساتھ سفر کرو۔ دنیاوی آرائشوں اور زیبائشوں سے عبور کرتے ہوئے **اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ** (تمہاری اولاد اور مال و دولت سب سامانِ فتنہ ہیں) کے مہلک راستہ سے سلامت رہ کر **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا** " (جس کا جی چاہے، قرآن کریم کو اٹل قانون عمل بنا کر اللہ تک رسائی کا سبب بنا لے) کے صاف راستہ پر گامزن رہو۔ اضطرار و بے چینی کی زبان سے گریہ و زاری کے ساتھ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** (اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دِکھا)

Marfat.com

کی خواہش لئے، اللہ تعالیٰ کی قدیم خوشخبری **اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ** (اچھی طرح سُن لو۔ اولیاء اللہ کو کوئی خوف و غم نہیں ہے) کے پیشِ نظر **سَلَامٌ قَوْلًا** " **مِّنْ رَّبِّ الرَّحِیْم** (اللہ تعالیٰ ان کو مبارکباد دے گا) کو بشارت حاصل کرنے کی خاطر آگے بڑھو۔ **نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ** (مُسلمانوں کو خُوشخبری دے دیجئے کہ اللہ کی مدد سے فتح و کامرانی تمہاری پابوس ہو گی) کی سواری پر سوار ہو کر پروردگار کے فضل و نعمت کی جانب روانہ ہو۔ جہاں عزت وصال کی ہوائیں ہر طرف چلتی ہیں اور غیبی ساقیوں کے ہاتھوں شرابِ محبّت کے جام پیتے نظر آو۔ جہاں **مِنْ ھٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَاءً وَّ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا** (یہ تمہارے اچھے کاموں کا بدلہ ہے۔ تمہاری کوششیں اور کاوشیں قبول کی گئی ہیں) کی صدائیں بُلند ہوتی ہیں۔ پھر اس مقامِ محبّت میں **کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا** " (اللہ نے حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کو کلام کرنے کی عزّت بخشی) کی افسانہ گوئی آغاز کرو۔ **تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ** (اللہ نے پہاڑ پر اپنی تجلّی فرمائی) کے دیباچہ کی طنابیں کھینچ لو۔ آنکھوں کے دیکھنے کی قوّت کے مناظر پھر سُکرات کی حالت میں موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہو کر گر جانے کے حالات بیان کریں۔ اس وقت تم **وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَہ**(جس دن ہَشاش بَشاش لوگ اپنے ربّ کو دیکھتے ہوں گے) کو مشاہدہ کے طور پر معائنہ کرو گے۔ اپنی عاجزی کا ہمیشہ اقرار کرتے رہو۔ اپنی زبان اور حال سے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہتے اور مانتے رہو۔ **لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَ ھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَار** (ان کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کو دِکھائے گا) اور اس بصارت کی روشنی سے بینائی حاصل کرنے کی کوشش کرکے آنکھ والے بن جاوَ۔(۲۱)

اِرشادات: پیروی کرو اور بدعت نہ کرو۔ اِطاعت کرو اور مخالفت نہ کرو۔ صَبر کرو اور گھبراوَ نہیں۔ ثابت قدم رہو اور پراگندہ نہ ہو۔ مُنتظر رہو اور نااُمید نہ ہو۔ مُتفق ہو کر ذکر کرو اور مُتفرق نہ ہو۔ گناہوں سے پاک ہو اور آلودہ نہ ہو اور اپنے آقا کے دروازہ سے نہ ٹلو۔

Marfat.com

جب تم میں سے کوئی شخص کسی بلا میں مبتلا ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے اس کے لئے اپنے آپ کو حرکت میں لائے اور اگر اس سے مخلصی نہ ہو تو اور یعنی حاکموں وغیرہ سے مدد لے اور اگر اس پر بھی رہائی نہ ہو تو اپنے رب کی طرف دعا، گریہ و زاری اور اس کے سامنے اپنے آپ کو ڈال دینے کے ذریعے سے رجوع کرے۔ پس اگر اس کی نہ سنی جائے تو اس کو یہاں تک صبر کرنا چاہئے کہ سارے اسباب و حرکات اس سے منقطع ہو جائیں اور وہ صرف ایسی روح رہ جائے کہ حق جلّ و علیٰ ہی کا فعل اسے دکھائی دینے لگے۔ پس وہ یقیناً موحد ہو جائے گا اور یقین کرے گا کہ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے اور جب اس کو وہ مشاہدہ کرے گا تو اس کے کام کا متکفل ہو جائے گا اور وہ عیش و مزہ کی زندگی بسر کرے گا جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اور کبھی اس کا نفس اپنے بارہ میں اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے حکم سے چیں بجبیں نہ ہو گا۔

اپنے نفس سے باہر نکلو اور اس سے دور ہو جاؤ اور اپنی ملکیت سے کنارہ کشی اختیار کرو اور سب کو اپنے آقا کے سپرد کردو اور اپنے قلب کے دروازہ پر اس کے دربان بنو۔ پس وہ جس کے اندر لانے کا حکم دے، اس کو اندر لاؤ اور جس کے باہر نکالنے کا حکم دے، اس کو باہر کرو۔ اور نفسانی خواہش کو اپنے دل میں نہ آنے دو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

جب اللہ تعالیٰ تم کو ایک حالت پر قائم کر دے تو اس کے سوا اور حالت کو چاہے وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، تم اختیار نہ کرو۔

جو تکلیف تم کو پہنچے، اس کا گلہ کسی سے بھی نہ کرو۔ دوست یا قریب، چاہے جو ہو اور جو کچھ تمہارے حق میں تمہارا پروردگار کرے اور اس کے ارادہ سے جو بلا تم پر آئے، اس میں کبھی اس پر تہمت نہ دھرو بلکہ بھلائی اور شکر کا اظہار کرو۔ اور کسی مخلوق سے نہ دل بستگی پیدا کرو اور نہ مانوس ہو اور جس حال میں تم ہو، اس سے کسی

Marfat.com

شخص کو آگاہ نہ کرو۔ تمہارے پروردگار کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے اور ہر شے اس کے پاس جچی تلی ہوئی ہے۔

کم پر راضی رہو اور اپنے ربّ سے اس کے ازلی حکم میں جھگڑا نہ کرو ورنہ وہ تم کو جُدا کر دے گا۔ اور اس سے غافل نہ ہو ورنہ وہ تم کو خراب و برباد کر دے گا۔ اور اس کے دِین میں اپنی نفسانی خواہش سے گفتگو نہ کرو ورنہ وہ تم کو تباہ کر دے گا۔ اور اپنے نفس سے مطمئن نہ ہو ورنہ تم کو اس کے ساتھ اور جو اس سے بھی برا ہو گا' مبتلا کرے گا۔ اور کسی پر ظلم نہ کرو گو اس کا باعث اس کی نسبت تمہاری بدگمانی اور اس کو برا سمجھنا ہی کیوں نہ ہو کہ تمہارا پروردگار ظالم کے ظلم سے درگذر نہیں کرتا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو چاہتا ہے' وہ اللہ سے اپنی ناواقفیت' اپنے ایمان' اپنی معرفت' اپنے یقین کی کمزوری اور اپنے صبر کی کمی ہی کی وجہ سے اور جو شخص کہ اس سے بچتا ہے' وہ اللہ عزّوجُل کی نسبت اپنی زیادہ واقفیت اپنے ایمان کی زیادتی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اپنے زیادہ حیا کرنے ہی کے باعث۔

جو ابتلاء عقوبت و مقابلہ کے طور پر ہو' اس کی علامت بلا کے پائے جانے کے وقت صبر کا نہ ہونا' گھبرانا اور خلق سے شکایت کرنا ہے۔ اور جو ابتلاء گناہوں کے کفارہ اور کمی کے لئے ہو' اس کی علامت صبر جمیل کا ہونا ہے جس میں نہ شکایت ہو نہ گھبراہٹ نہ بے چینی اور نہ طاعت کی بجا آوری میں سستی۔ اور جو ابتلاء کہ درجات کی بلندی کے لئے ہو' اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دور ہونے تک خدا کے ازلی حکموں سے خُوشنودی' موافقتِ نفس کی طمانیت اور سکون پایا جائے۔

ہر مومن اس بات کا مُکلّف ہے کہ جو چیز اس کے حصہ میں آئی ہو اس کے سامنے آنے کے وقت ٹھہر جائے اور چھان بین کرے۔ ایسی صورت میں جب تک کہ حکم

Marfat.com

اس کو مباح اور علم اس کو اس کا حصّہ نہ قرار دے' اس کو ہاتھ نہ لگائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن بڑی چھان بین کرنے والا اور منافق حق سے باز رکھنے والا ہوا کرتا ہے۔(۲۲)

1:- تاریخِ اسلام' شاہ مُعین الدین ندوی صفحہ ۱۷۳ (حصہ چہارم)
2:- ایضاً" صفحہ ۱۶۴۔
3:- ایضاً" صفحہ ۱۹۱۔
4:- ایضاً" صفحہ ۱۹۷۔
5:- ایضاً" صفحہ ۲۲۵۔
6:- ایضاً" صفحہ ۲۴۴۔
7:- مرثیہ حضرت شیخ سَعدی شِیرازی رحمتہ اللہ علیہ
8:- زُبدۃ الآثار۔ از شیخ عبدالحقّ مُحدّث دہلوی۔ ترجمہ امانت خاں صفحہ۳۱'صفحہ ۳۴
9:- رِسالہ رُوحی' حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ' ترجمہ و شرح راقم۔حضرت غُلام دستگیر اکیڈمی۔ دربار حضرت سُلطان باھُو۔
10:- زُبدۃُ الآثار از حضرت شیخ عبدالحقّ مُحدِث دہلوی' ترجمہ ابو محمّد امانت خان مطبع فاروقی دہلی' صفحہ ۳۷۔
11:- ایضاً" صفحہ ۵۷
12:- صُوفی آرڈرز اِن اِسلام
13:- زُبدۃُ الآثار' شیخ عبدالحقّ مُحدِث دہلوی صفحہ ۳۹۔
14:- ایضاً" صفحہ ۵۹۔
15:- ایضاً" صفحہ ۶۷۔
16:- ایضاً" صفحہ ۳۹'۴۰۔
17:- اخبارُ الاخیار۔ شیخ عبدالحقّ مُحدّث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ' ترجمہ اقبال الدّین احمد' دارالاشاعت کراچی صفحہ ۴۰۔
18:- تاریخِ اِسلام' از اکبر شاہ خان نجیب آبادی' نفیس اکیڈمی کراچی' حصہ دوم صفحہ ۶۰۳۔

Marfat.com

19:- زُبدۃُ الآثار صفحہ ۶۸۔

20:- ایضاً" (نقل از مجالس) صفحہ ۱۱۳۔

21:- اخبار الاخیار صفحہ ۴۸،۵۰۔

22:- الطبقاتِ الکُبریٰ، از شیخ عبدالوہاب شعرانی، ترجمہ سیّد عبدالغنی وارثی، نفیس اکیڈمی صفحہ ۲۵۵ تا ۲۶۰۔

Marfat.com

طَرِیقۂ قادِریہ

طریقہءِ قادریہ کی رِوایت کا اجراء دو طرح سے ہوا۔ ایک تو خلفاء کے ذریعے ایک دور سے دوسرے دور میں سلسلہ جاری رہا اور دوسرے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے باطن سے اویسی طور پر یعنی براہِ راست بھی اس کا فیض جاری رہا۔ حضرت سُلطان العَارفین سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کو یہ فیض اویسی طور پر ملا تھا۔ وہ اسے طریقہ "سَروریہ قادِریہ" کہتے ہیں۔

قادری طریق کے مُرشد اِسمِ ذات کے ذکرِ جہر پر زور دیتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے اذکار و مراقبات بھی ان سے مرّوی ہیں۔ جن میں کشفِ وقائع آئندہ، کشفِ ارواح اور شفاءِ امراض کے لئے طریقہ ہائے دُعا و ذکر بھی شامل ہیں۔ اگرچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس طریق کے اذکار و اشغال لکھے ہیں مگر ان کے نزدیک بنیادی طور پر حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نسبتِ اویسی کے حامل ہیں۔ "ہمعات" میں لکھتے ہیں: "حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نسبتِ اویسی رکھتے ہیں اور ان کی اس نسبت کے ساتھ نسبتِ سکینتہ کی برکات بھی ملی ہوئی ہیں...... اس نسبت کے رکھنے والے شخص سے بے انتہا خیر و برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ خواہ وہ اس اظہار کمال کا قصد کرے یا نہ کرے اور اس فیض کی طرف اس کی توجہ ہو یا نہ ہو۔ گویا کہ اس شخص سے خیروبرکت کا یہ صدور ایک طے شدہ امر ہے اور یہ اس کے ارادے کے بغیر ہی معرض وجود میں آ رہا ہے۔"

چونکہ عام طور پر مختلف ادوار میں مختلف بزرگان طریقہء قادریہ کے قلوب پر اس طریقے کے اذکار و مراقبات القاء ہوتے رہے یا ان کے سلوک میں معروف و مروج رہے (بعض کا ذکر تو دَاراشکوہ نے رسالہ "حقّ نُما" میں بھی کیا ہے) گو وہ نتیجہ و تاثیر میں یکساں ہوں مگر عملی لحاظ سے مختلف نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

بہرحال اویسی قادری طریق کی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ اس طریق کے مشائخ رفیع الشّان اور اہلِ سطوت مانے جاتے ہیں۔ جو بھی ان کو دیکھتا ہے ان کے غلبہ و تصرّفِ روحانی کا قائل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس طریقہ کے صوفیاء اس نقطے تک پہنچے ہوتے ہیں جہاں "ذِکر و ذاکر و مذکور" کے ایک ہو جانے کا روحانی تجربہ ہوتا ہے۔ "قصیدۂ غوثیہ" میں اس تجربے کے وجدانی اظہار سے اس حیرت انگیز کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

• بحوالہ :

رسالہ حقّ نما از دارا شکوہ، مطبع قیومی واقع کانپور ۱۳۱۵ھ

ھمعات از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ترجمہ محمّد سرور، سندھ ساگر اکادمی ۱۹۴۶ء۔

شفاء العلیل، از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مکتبہ تھانوی، کراچی۔

Marfat.com

شجرۂ طریقت

حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
حضرت علی کرم اللہ وجہہ'
حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ
حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت عبدالواحد تمیمی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابوالفرح طرطوسی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت علی محمد القرشی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت مبارک بن علی مخرمی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

شمعِ جمال

سُلطانُ العارفین

حضرت سُلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ سروریہ قادریہ اویسی فیض

Marfat.com

Marfat.com

سُلطانُ الفقرؒ و سُلطانُ العارفین

حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سُلطان العارفین سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ مُغل شہنشاہ شاہجہان کی تاجپوشی کے سال کے آس پاس ۱۶۲۷ء اور ۱۶۳۱ء کے درمیان کسی سال میں قلعہ شورکوٹ (حال ضلع جھنگ۔ پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔۔ اعوان ہرات سے آئے تھے اور محمود غزنوی کی ہمراہی میں جنگِ سومنات کے معرکے کے بعد علاقہ سُون سکیسر (حال ضلع خوشاب) اور گِردونواح کے علاقوں میں آباد ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کے والد حضرت بَازید محمدؒ رحمتہ اللہ علیہ دِین دار' مُتقّی اور حَافظِ قرُآن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مردِ سپاہی پیشہ تھے اور شاہجہان کے لشکر میں ملازم تھے۔

حضرت بَازِید محمدؒ رحمتہ اللہ علیہ نے اَدھیڑ عُمر میں اپنی ایک ہم کفو خاتون حضرت بی بی رَاستی رحمتہ اللہ علیہ سے نکاح فرمایا جو ایک عالی مقام وَلِیہّ تھیں۔ سُون سکیسر کے گاؤں اَنگہ میں وہ جگہ اب تک معروف و محفوظ ہے' جہاں آپ ایک پہاڑی کے دامن میں چشمے کے کنارے ذکر میں محوّ رہا کرتی تھیں۔ کچھ مُدّت بعد حضرت بَازید رحمتہ اللہ علیہ ملتان چلے گئے' وہاں بہادری کا ایک کارنامہ دکھانے پر' ناظمِ ملتان نے ایک گاؤں نذر کیا۔ دوسری طرف آپ کی عسکری خدمات کے عِوض آپ کو مغل شہنشاہ نے قلعہ شورکوٹ کے گردونواح میں جاگیر عطا کی جو وسیع رقبہ میں پھیلی تھی۔ بعد ازاں حضرت بی بی راستی یہیں پہنچ گئیں اور حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ بھی یہیں مُتولّد ہوئے۔

بچپن سے ہی نُورِ سعادت آپ کی جبین پر روشن تھا۔ آپ کو دیکھنے والے حقّ پر ایمان لے آتے تھے بلکہ آپ کو دیکھ کر ہندوؤں کا اپنے دھرم پر ایمان متزلزل ہو جاتا

Marfat.com

تھا۔

بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ گو والدہ ماجدہ رحمتہ اللہ علیہا نے آپ کو علمِ ظاہری کی بھی تعلیم دلائی مگر اصل تعلیم و تلقین حضرت بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کی یہ تھی کہ آپ کو ذکر و فکر کے طریقے سکھائے اور سیر و سفر کے ذریعے وِلایت کے مکشوفات کا دائرہ وسیع کرنے کی ہدایت فرمائی۔

آپ کئی بزرگوں کے مزاروں پر گئے' کئی پیروں کو دیکھا مگر آپ کو فیض اویسی طور پر براہِ راست رسُولِ کریم ﷺ سے پہنچا:

دَست بَیعَت کرد مارا مُصطفیٰ ﷺ
وُلدِ خُود خوانده ست مارا مُجتبیٰ ﷺ

رُشد و ہدایت کا اِذن بھی آپ کو اُسی بارگاہ سے ملا:

شُد اِجازت باھُو را از مُصطفیٰ ﷺ
خَلق را تَلقین بکُن بہرِ خُدا

طریقہء قادریہ بھی آپ کو حضرت غوث الاعظم شیخ عبدُالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعہ اویسی طور پر ملا۔ آپ اسے طریقہء سروریہ قادریہ کہتے تھے۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کو "شیخِ مَا" (ہمارے پیر) کہا ہے۔

دہلی کے حضرت سیّد عبدُالرّحمٰن قادری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بیعت کی حکایت اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ آپ اُن سے ملے اور انہوں نے آپ کے مقامِ عالی کی تائید فرمائی یا "بشارت" دی۔

دہلی کے سفر میں آپ کی اورنگ زیب سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں فیض پہنچتا رہے گا۔ اس سے زیادہ مجھ سے تعرّض مت کرو۔ آپ نے اس کے لئے رسالہ "اَورنگ شاہی" لکھا اور دہلی سے واپس چلے آئے۔

آپ ہمیشہ سیر و سفر میں رہے اور سفر کے دائرے میں زیادہ تر ملتان' ڈیرہ غازی خان' ڈیرہ اسماعیل خان' بھکر' چولستان' وادیء سُون اور کوہستانِ نمک کے دیگر علاقے

Marfat.com

شامل رہے۔ آپ ان علاقوں میں مستانہ وار پھرتے ہوئے حکمت و معرفت کی دولت لُٹاتے پھرے۔

آپ نے تقریباً" ایک سو چالیس کتب لکھیں مگر ان میں سے صرف تیس کے قریب اس وقت دستیاب ہیں جن میں پنجابی ابیات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان تصنیفات میں فقر و تصوّف اور علم و معرفت کے خزانے چھُپے ہیں مگر ان خزانوں تک وہی رَسائی حاصل کر سکتا ہے جو انہیں کسی کامِل کی نگرانی میں پڑھے۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ جو ان کتب کو بتکرار پڑھے گا' وہ ظاہری مُرشد سے بے نیاز ہو جائے گا۔

آپ نے چار شادیاں کیں۔ آپ کے آٹھ بیٹے تھے۔ آپ نے سب کو دِینی تعلیم دلوائی اور آپ کے دوسرے بیٹے سُلطان ولی محمدّ رحمتہ اللہ علیہ سے سَجّادہ نشینی کا سِلسلہ چلا جو اب تک جاری ہے۔

آپ نے اورنگ زیب کے عہد میں ۱۶۹۰ء میں وفات پائی اور شورکوٹ میں دفن ہوئے۔ مگر بعد ازاں آپ کی تُربت کو سیلاب کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا اور پھر تیسری جگہ' جہاں اب روضہ موجود ہے۔ آپ نے اپنی قبر کے متعلق بھی خبر دی کہ جو یہاں حاضری دے گا' فیض پائے گا۔

آپ کے خلفاء میں حضرت سُلطان حمید رحمتہ اللہ علیہ بھکر والے' سُلطان نورنگ کھیتران بلوچ رحمتہ اللہ علیہ' خلیفہ ابُوالمعالی رحمتہ اللہ علیہ اور سیدّ مُحسِن شاہ رحمتہ اللہ علیہ ممتاز ہیں۔

آپ کی کرامات عوام و خواص میں مشہور ہیں۔ بے شمار لوگ ملتے ہیں جو آپ کی وفات کے بعد اپنے ساتھ روحانی رابطہ اور معاونت کا ذکر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے رُوحانی مقام کی شہرت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یکم سے دس محرم تک اور جمادی الثانی کی پہلی جمعرات کو دربار سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ پر عُرس منعقد ہوتا ہے اور خلقت کا اژدھام دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ حضرت سلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی قوّتِ قدُسیہ کِس کِس طرح سے لوگوں کو کھینچے لئے چلی آتی ہے۔

کرامت

Marfat.com

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کو اِلہاماً" بتایا گیا کہ اس اُمّت میں سات اولیاء اللہ ایسے ہیں جنہیں فقر کی صفت بدرجۂ کمال عطا کی گئی ہے۔ پانچ تو یہ ہیں:

حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت خواجہ حَسَن بصری رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شیخ عبدالقادرِ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شیخ عبدالرّزاق رحمتہ اللہ علیہ' خود حضرت سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ۔

ابھی دو رُوحوں کا ظہور باقی ہے۔ اس اِنکشاف کی روشنی میں وہ اُمّت کے پانچویں سُلطانُ الفقرؒ ہیں۔

بعض دَانشوروں نے انہیں صِرف ایک شاعِر کی حیثیت سے جاننا چاہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ گو وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے لیکن وہ تصوّف میں قُطبِ وحدت کا مقام رکھتے تھے اور مُرشدِ کُل تھے۔

خود رسُول کریم ﷺ نے انہیں اِس منصب پر سَرفراز فرمایا اور رُشد و ہِدایت کا اِذن دیا۔ پھر انہوں نے شدّومدّ سے دعویٰ کیا:

"اے طالب' اگر تو سچّا طالب ہے' تو اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے۔"

اور فرمایا:

"مَیں لاف زَن نہیں بلکہ کامِل فقیر ہوں۔"

انہوں نے دعویٰ کیا کہ جو میری کُتب کو بتکرار پڑھے گا' ظاہری مُرشد سے بے نیاز ہو جائے گا اور جو میری قبر پر آکر مَدد کا طالب ہو گا' اس کے باطن کی گرہیں کُھل جائیں گی۔

وہ ایک عظیم دَرجے کے صُوفی مُفکّر بھی تھے۔ اس زمرہ میں وہ حضرات ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ' شہاب الدّین عمُر بن محمّد سُہروردی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے ہَم پایہ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کُتب میں صِرف وَاعظانہ انداز میں پندونصائح سے ہی سَروکار نہیں رکھا بلکہ واردات و اسرار روحانی کی تشریح بھی کی ہے اور توحید کی تفسیر میں گہرے نکات بھی بیان فرمائے ہیں مگر یہ نکات اس پر ظاہر ہوتے ہیں جو ان کی کُتب کے مطالعہ کے دوران میں ادَب ملحوظ رکھے ——— ان کا اسلوب

Marfat.com

وجدانی ہے۔ وہ حکمتِ الٰہیہ کے معلّم ہیں۔ ان کی زبان خاص ہے اور وہ اشاروں سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ حافظ نے کہا ہے:

تلقین و درسِ اہلِ نظر یک اشارتست
کردم اشارتے و مکرّر نمی کنم

جیسے کسی اور علم کے پڑھنے کے لئے ایک خاص طرز کی ذہنی تربیت درکار ہوتی ہے، اسی طرح دانش نورانی، حکمتِ الٰہیہ یا کلامِ حقؒ پڑھنے کے لئے بھی ایک خاص نظر درکار ہوتی ہے کیونکہ ان کا اسلوب آسمانی کتابوں کی طرز پر ہوتا ہے۔ حضرت سلطان العارفین تو اپنی کتب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بعض بزرگانِ دین اور مصنفین کی تصانیف الہامی ہیں۔ لیکن اس فقیر کو مقامِ الہام سے بھی بالا اللہ تعالیٰ کے قرب اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے نور سے القائے کلام ہوا ہے۔"

حضرت سلطان باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی فکر کی معرفت کے لئے توفیقِ الٰہی درکار ہے۔ وہ ایک سلطان الفقر، مرشدِ کامل، عظیم صوفی مفکر اور شاعر تھے اور ان تمام حیثیات کا فیض جاری و ساری ہے۔

نام فقیر تنہاندا باھُو قبر جنہاندی جیوے ھُو

بحوالہ:

:1 حضرت سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ حیات و تعلیمات از راقم (۱۹۸۷ء) سلطان باھُو اکیڈمی۔
2 :۔ رسالہ روحی از حضرت سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ (۱۹۹۰ء) ترجمہ و شرح رحضرت غلام دستگیر اکیڈمی دربار سلطان باھُو۔
3 :۔ نور الہدیٰ از حضرت سلطان باھُو، ترجمہ فقیر نور محمدؐ، ڈیرہ اسماعیل خان (کلاچی)

Marfat.com

طریقہ سروریہ قادریہ

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ طریقہء جیلانیہ (قادریہ) تمام تر اویسیہ ہی ہے اور اس طریقہ سے اِنتساب رکھنے والے بزرگ بڑی رُفعت اور سطوت کے مالک ہوتے ہیں---- حضرت سُلطان العارفین سُلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ ان میں سے ایک تھے۔

حضرت سُلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ نے جن اذکار و مُراقبات کی تلقین کی، ان سب کی تاثیر کا رخ زیادہ تر باطن کی طرف ہے۔ آپ کی تعلیم پر ایک سَرسری نظر ڈالنے پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے:

تصوّرِ اِسمِ ذات : قلب پر اللہ کا تصوّر

مَشقِ مرقومِ وَجودیہ : جِسم کے ساتوں اعضاء اور لطائف پر انگشت تفکّر سے "اللہ" لکھا جائے اور پھر کلمۂ طیّبہ **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ**

دعوتِ قُرآن : کسی غالب ولی اللہ کی قبر پر آدھی رات کے وقت قرآن پڑھا جائے۔

مجلسِ محمّدی ﷺ : تصوّر میں اپنے تئیں مجلسِ محمّدی ﷺ میں حاضری دی جائے اس کا مراقبہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ واقعی حضور رسالت مآب ﷺ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو جائے۔

اِس طریقے کے فُقراء باطن میں ہمیشہ ذِکر و فِکر میں مُستغرق رہتے ہیں اور ظاہر میں اسرارِ رَبانی اور نکاتِ مَعرفت بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ انہیں وہ نِسبت حاصل ہوتی ہے جِسے سُلطان صاحب رحمتہ اللہ علیہ "نُورِ توفیق" کہتے ہیں۔ صاحبِ توفیق شیخ کو اس سے پہچاننا چاہیے کہ "وہ ہمیشہ اِطاعتِ بندگی، عِجز و اِنکسار اور مجسمہء صِدق و صَفا ہو کر مسجد میں رہے گا اور نیک سِیرت ہو گا۔"

فرمایا : "شب و روز بنُور تمام اگرچہ ظاہر ہم سُخن با مردم عوام"

Marfat.com

(کلید التوحید خورد)

(ہروقت مکمل طور پر غرقِ نور' اگرچہ ظاہر میں عام لوگوں سے ہم سخن ہو)۔

چنانچہ اس طریقہ کے فقراء ظاہر میں عوام کے ساتھ رہتے ہیں مگر بباطن انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حضوری حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ بولتے ہیں تو ان سے اسرارِ تصوّف اور معارفِ ربّانی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ رحمتِ الٰہی کے مظہر ہوتے ہیں اور لوگ خواہ کسی طریقہ کے ہوں' اُن سے فیض پاتے ہیں۔

Marfat.com

اَرواحِ سُلطانَ الفَقر
اُویسی فیض

حضرت مُحمدّ مُصطفیٰ ﷺ

حضرت عَلی رضی اللہ عنہ ۔ حضرت فَاطمتہ الزُہراء رضی اللہ عنہا

حضرت خواجہ حَسَن بصَری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ عَبدُالقادِر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ عَبدُالرزّاق رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سُلطان بَاھُو رحمتہ اللہ علیہ

"و دُوْ رُوح دیگر اولیاء...... تا آنکہ آں دُوْ رُوح از آشیانہء وحدت بَر مظاہرِ کثرت نخواہند پَرید، قیامِ قیامت نخواہد شُد۔" (رُوحِی)

Marfat.com

شمع بہار

خواجۂ بزرگ

حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ چشتیہ، شجرہ طریقت

Marfat.com

Marfat.com

سُلطانُ الہند۔ خواجہء بزرگ

حضرت خواجہ معینُ الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ

تاریخِ اسلام میں چھٹی صدی ہجری کو ایک طرح سے خلفشار کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ بغداد میں خلافتِ عباسیہ قائم تھی۔ سلجوقی حکمران گو مضبوط تھے مگر تاتاریوں کے خروج کے سامنے بے بس ہوتے تھے۔ دوسری طرف نظریاتی و سیاسی سطح پر ملاحدہ و باطنیہ بھی دندناتے پھر رہے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے متضاد قوتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔

اس دور میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ۵۳۰ اور ۵۳۷ ہجری کے درمیان کسی سال میں بمقام چشت پیدا ہوئے جو سیستان یا سجستان کے علاقہ میں واقع ہے۔ اس بناء پر آپ بعد ازاں چشتی کہلائے۔

آپ سے پہلے بھی اس طریقہء تصوّف سے جو آپ تک پہنچا' تعلق رکھنے والے کچھ بزرگانِ کرام چشتی کہلاتے تھے۔ ان میں پہلے بزرگ حضرت خواجہ ابوُ اسحاق شامی چشتی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو شام کے رہنے والے تھے۔ انہیں ان کے مرشد خواجہ ممشاد علوٗ دینوری رحمتہ اللہ علیہ نے ہدایت کی کہ چشت میں جاکر خانقاہ بنائیں اور وہاں تصوف کے اس طریق تربیت کو عمل میں لاکر پھیلائیں۔ وہ یہاں آ گئے اور پھر ان کے بعد بالترتیب ان کے مندرجہ ذیل خلفاء نے یکے بعد دیگرے چشت میں ان کے کام کو جاری رکھا اور چشتی کہلائے:

خواجہ احمد چشتی' خواجہ ابو محمّد چشتی' خواجہ یُوسف چشتی
خواجہ ناصر الدّین چشتی' خواجہ قُطب الدّین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیھما

گو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے والد چشت سے نقل مکانی کرکے خُراسان چلے آئے تھے اور حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کو خواجہ قُطب الدّین

Marfat.com

مودود چشتی کے بعد دو واسطوں سے یعنی حضرت حاجی شریف زندانی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ جو سکونت کے لحاظ سے چشت کے ساتھ تعلق نہ رکھتے تھے' اس طریق کا فیض پہنچا مگر آپ بھی چشتی ہی کہلائے۔

آپ کے والد کا نام حضرت خواجہ غیاث الدین رحمتہ اللہ علیہ تھا جو حسب نسب کے لحاظ سے سید تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کی عمر پندرہ سال ہو گی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ترکہ میں صرف ایک باغ اور ایک چکی چھوڑی جو ان کے پسماندگان کا واحد ذریعہء معاش تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اپنے باغ میں کام کرتے اور اس سے روزی حاصل کرتے تھے۔

ایک دن ایک مجذوب سالک ابراہیم قندوزی کا ادھر سے گذر ہوا۔ خواجہ صاحب نے ادب سے انگوروں کا ایک خوشہ انہیں پیش کیا۔ وہ خوش ہوئے اور انہوں نے کھلی کا ایک ٹکڑا حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو کھانے کو دیا جسے انہوں نے منہ میں ڈالا تو دنیا ہی بدل گئی۔ جذب طاری ہو گیا اور طلب حق نے اندر ایسا زور پکڑا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر طلب علم دین کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ کئی سال تک سمرقند و بخارا اور دیگر مراکز علم و فضل میں تعلیم حاصل کرتے پھرے اور جب علم دین کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو جیسا کہ دستور تھا' کسی مردِ حقّ کی تلاش شروع کی جو انہیں حکمتِ الٰہیہ اور مقاماتِ قربِ سے سرفراز کرے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ اس دور میں اپنے طریق کے قطبِ ارشاد تھے۔ اُن سے ملے اور ان کی زیرِ نگرانی مجاہدات میں لگ گئے۔

بیس سال سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے اور بالآخر نعمتِ خلافت سے مشرّف ہوئے۔

مُرشد کی خانقاہ سے نکل کر آپ نے حج کیا اور چند سال تک آپ مختلف مقامات مثلاً بغداد' ہَمَدان' تبریز' اصفہان' ہرات' سبزوار وغیرہ کی سیاحت کرتے پھرے اور اس دور کے اکثر بزرگوں کے ساتھ ملاقات بھی کی۔

پھر آپ کو حکم ملا کہ ہندوستان میں دین اسلام اور اس کے باطنی اصلاحی نظام یعنی

Marfat.com

تصوف کی خدمات سر انجام دیں چنانچہ تقریباً" ۵۸۷ ہجری میں غزنی سے چل کر آپ ہندوستان میں وارد ہوئے۔۔۔۔ اس وقت آپ کی عمر باون (۵۲) سال ہو گی۔

پہلے آپ لاہور تشریف لائے۔ کہتے ہیں' چالیس درویش آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ حضرت شیخ علی بن عثمان الہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ میں فروکش ہوئے اور ان کے مزار پر کچھ مدت معتکف رہے۔

وہاں سے دہلی گئے اور پھر اجمیر میں جاکر مقام کیا جو اس زمانے میں ہندوستان کی سیاسی حکومت کا مرکز تھا۔ وہاں رائے پتھورا حکمران تھا جو راجگانِ عصر کے درمیان ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ شہاب الدّین محمّد غوری کو ایک بار شکست دے چکا تھا اور اس کے تمرد و تکبر کی کوئی انتہا نہ تھی۔

ہندوستان میں آپ کے ورود سے پہلے بھی مسلمان آ چکے تھے اور مختلف مقامات پر بستیاں بسا کر قیام پذیر تھے مگر ہندوستان کے طاقت ور راجہ کی راجدھانی میں ایک مسلمان فقیر مبلغ کا فروکش ہونا راجہء راجگان اور اس کی راجپوت امراء پر گراں گذرا۔ خاص طور پر جب لوگ ان کے قریب ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے فرعون کی طرح اپنے پنڈتوں اور افسوں گروں کی خدمات طلب کیں مگر حضرت خواجہء بزرگ کے سامنے کسی کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی۔ نتیجتاً" سب عاجز آ گئے۔ بعض مسلمان ہو گئے مگر بعض نے راجہ کو ظلم و جبر پر اکسایا۔ جب راجہ نے کوئی اقدام کرنا چاہا تو حضرت نے کشف میں دیکھ کر فرمایا کہ ہم نے رائے پتھورا کو زندہ پکڑا اور لشکر اسلام کے حوالے کیا۔

شہاب الدین محمّد غوری نے ۵۸۸ ہجری میں ہندوستان پر دوسرا حملہ کیا۔ رائے پتھورا (پرتھوی راج) نے تمام راجگان ہند کے ساتھ مل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور خواجہء بزرگ کی پیشگوئی کے مطابق گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ غوری کا نائب ہندوستان میں قطب الدین ایبک ہوا مگر کچھ عرصہ کے بعد جب اس کا انتقال ہوا تو سلطان التمش برسراقتدار آیا جو حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا نہایت عقیدت مند ہوا اور دہلی میں مقیم آپ کے خلیفہ خواجہ قُطب الدّین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

سے ارادت رکھتا تھا۔

آپ تقریباً" پینتالیس سال تک اجمیر میں مقیم رہے۔ ایک دو بار دہلی میں تشریف لائے مگر مستقل قیام اجمیر میں ہی رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے ہندوستان کے معاشرہ کی حالت بدل ڈالی۔

تذکرہ سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق "اس آفتاب اہل یقین کے قدم مبارک کے طفیل جو حقیقت میں دین کے مددگار ثابت ہوئے۔ اس ملک کی تاریکیء کفر اسلام کی روشنی سے بدل گئی۔"

اسی طرح سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ہندوستان میں طریقہء اسلام ظاہر ہو گیا۔

ڈاکٹر خلیق نظامی نے بڑے مختصر انداز میں آپ کی زندگی کے طور طریق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "خواجہء اجمیر کی زندگی بہت سادہ لیکن دِلکش تھی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں مُیسّر نہ آتی لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے، معصیت کے سوت اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔" پھر انہوں نے رسالہ احوالِ پیرانِ چشت کا حوالہ دیا ہے کہ "نظرِ شیخ مُعین الدّین رحمتہ اللہ علیہ بر ہر فاسقے کہ اُفتادے، دُر زمان تائب شُدے و بازگردِ مَعصیت نگشتے" (شیخ معین الدّین رحمتہ اللہ علیہ کی نظر جس فاسق پر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا اور پھر کبھی گناہ کے پاس نہ جاتا)۔

۶۳۲ ہجری میں آپ نے رحلت فرمائی اور اجمیر شریف میں دفن ہوئے۔ جہاں شاہ و گدا حاضری دینا باعثِ فخر اور دلیلِ مُشکل کُشائی سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ مُعین الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء میں دو بزرگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شیخ حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ قُطب الدّین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ۔ اگرچہ شیخ حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے عالم اور بلند پایہ فقیر تھے مگر دہلی میں چِشتیہ سلسلہ کا مرکز حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی

Marfat.com

رحمتہ اللہ علیہ نے قائم کیا جہاں سے چشتیہ سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا اور پھر ان کے بعد مشائخِ چشت رحمتہ اللہ علیہا خاص طور پر حضرت خواجہ فرید الدّین والحقّ گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ نصیر الدّین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعہ پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ مشائخِ چشت رحمتہ اللہ علیہما نے برصغیر ہندوپاک میں اسلام اور طریقِ تصوّف کی بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔

فرمودات

حضرت خواجہ معینُ الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اللہ کو پہچاننے کی نشانی عوام سے دُور بھاگنا اور معرفت کے بارے میں خاموش رہنا ہے۔"

"جب سے مَیں پیدا ہوا ہوں، اسی وقت سے عاشق، معشوق اور عشق کو مَیں نے ایک ہی پایا۔

حاجی خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہیں اور عارف اپنے قلوب سے عَرش اور حجابِ عظمت کے گرد طواف کرتے ہیں۔

جو شخص عذابِ دوزخ سے محفوظ رہنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے سب عبادت اور اطاعت سے بہتر طاعت کرنا ضروری ہے (لوگوں نے پوچھا، وہ کونسی طاعت ہے؟ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ) بے بسوں کی مدد کرنا، مجبوروں کی ضرورت پوری کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔

Marfat.com

جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں گی' اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھے گا' اوّل دریا جیسی سخاوت' دوم آفتاب جیسی شفقت' سوم زمین جیسی تواضع۔

عارف لوگ جب اپنے مرتبہ پر پہنچتے ہیں تو تمام عالم اور جو کچھ اس میں ہے' سب کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔"

ماخذ:

سیر الاقطاب: شیخ عبدالرّحیم رحمتہ اللہ علیہ' ترجمہ معین الدّین دردائی' نفیس اکیڈمی' کراچی
تذکرۂ خواجہ معین الدّین اجمیری: مولانا معین الدین' مکتبہء نبویہ۔ گنج بخش روڈ' لاہور
سلطان الہند غریب نواز: محمد اجمل خان' خاور پبلشنگ کواپریٹو سوسائٹی۔ لاہور
تاریخ مشائخ چشت: ڈاکٹر خلیق نظامی

Marfat.com

طریقہء چشتیہ

مشائخِ چشت رحمتہ اللہ علیہما نے قُربِ الٰہی کے درجات و مقامات کے حصول کے لئے جو طریقِ رُوحانی اختیار کیا' اس کی خصوصیات جذب و شوق' سوزوساز' وجد و حال' غلبہء اِستغراق' کثرتِ اَوراد' اِستغراق اور خاص طور پر ذوقِ سماع ہیں۔

سماع کے لئے اصحابِ چشت رحمتہ اللہ علیہما نے موسیقی کے آلات استعمال کئے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے اذن سے ہی قوالی میں موسیقی کے آلات استعمال ہوئے لیکن معلوم ہوتا ہے' بہت پہلے سے ان کا رواج چلا آ رہا تھا۔ صُوفی مُرشد و مُحقّق سیّد اِدریس شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "اِس جماعت نے جس کی ابتداء خُراسان میں چشت سے ہوئی' اپنے معمولات میں موسیقی کے استعمال کو مخصوص کر لیا۔ طریقہ کے سائح دراویش کو چِست یا چِشت کہا جاتا تھا۔ وہ کسی قصبے میں داخل ہوتے اور کوئی صوفیانہ اہمیت کی حامل روایت یا حکایت سنانے سے پہلے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے بانسری اور دَف پر کوئی مؤثّر دُھن چھیڑ دیتے تھے۔"

آج کل چشتی مُرید صِرف قوالی کو ہی اپنے لئے کافی سمجھے ہوئے ہیں لیکن مُتقدّمین و مُتاخرین مشائخِ چشت رحمتہ اللہ علیہما سے بکثرت اَوراد و وظائف اور صُوفیانہ اشغال اور مراقبات منقول ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "القول الجمیل" میں ان کا ذکر کیا ہے اور "کشکولِ کلیمی" میں تو بالتفصیل ان کے لئے عملی نکتہء نظر سے ہدایات درج ہیں۔

اسی طرح مشائخ مُتقدمین رحمتہ اللہ علیہما نے سفرِ باطنی کے لئے منزلیں مُتعین کیں۔ جن میں وحشت اور غیرت وغیرہ کی منزلیں بہت سخت ہوتی تھیں۔ ان منزلوں سے گذرنے کے لئے کئی سال صرف ہو جاتے تھے۔ ان کی تعلیم میں کئی چلے بہت

Marfat.com

سخت بھی تھے۔ پھر جذباتیت سے دور کرنے کے لئے جذب کو موُخر کر دیا جاتا تھا۔ ہمارے شیخِ طریقت حضرت سیّد وراثت حُسین شاہ رحمتہ اللہ علیہ (دربار کلیانوالہ شریف) ان سب سے گذر کر مرتبہء قطُب تک پہنچے تھے۔ وہ کبھی اپنے سلوک کی ریاضتیں بیان کرتے تھے تو جگر گداز ہوتا تھا۔ ان کی روایت کے مطابق اس طریق میں جذب کی باری آخر میں آتی تھی---- مشائخ شروع میں مُبتدی کے لئے جذب کو خطرناک سمجھتے تھے کیونکہ نفسِ امّارہ کو اگر مغلوب نہ کیا ہو تو ابتدائی مرحلوں میں اس کے زیرِ اثر پھسلنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

چشتیہ طریقہ کی تاثیر شراب کی طرح بیان کی گئی ہے۔ یعنی اس کے نشہ میں کوئی حال چُھپا نہیں رہ سکتا۔ سَماع یا شِعرو شاعری کی مجالس میں حاضرین پر جو وُجد طاری ہوتا ہے۔ اس میں ان کے اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں اور کرامات بھی صَادر ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ خلقت کا رجُوع ان کی طرف زیادہ رہتا ہے۔ ان کے گرد خلقت کے اژدھام کی دوسری وجہ ان کی نِسبت عِشق بھی ہے جو کثرتِ ذکر و فکر سے پیدا ہوتی ہے۔ " ہمعات" میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "عِشق رکھنے والے عارف کی یہ شان ہوتی ہے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہے' اس سے عِجز و فروتنی سے پیش آتا ہے۔"

تفصیل اس کی یوُں لکھی ہے: "خواجگانِ چشت رحمتہ اللہ علیہما میں سے مَشائخ مُتقدِمین رحمتہ اللہ علیہما کو نُورِ طہارت و سَکینہ کی نِسبت جو نِسبتِ عِشق سے مِلی ہوئی ہے' حاصل تھی اور جو دورِ مُتوسط کے مَشائخ ہیں' ان کی نِسبت' نِسبتِ عِشق تھی۔ جس میں کہ نُورِ سکینہ کی نسبت کی آمیزش تھی اور ان بزرگوں کی نسبت میں خاص طور پر اسمائے اِلٰہیہ کے انوار اور ان کی برکات کا بڑا اثر تھا۔ اور خواجگان چشت میں سے جو آخری دور کے مشائخ ہیں ان کو نسبتِ عِشق جس میں کہ کسی قدر نسبتِ توحید بھی ملی ہوئی تھی' حاصل تھی۔"

نیز فرمایا: "طریقۂ چشتیہ مقبُولوں کا طریقہ ہے۔ اس طریقہ کے مُتوسلین عوام النّاس میں بڑے مقبول ہوتے ہیں اور نیز صُوفیاء میں سے چِشتی بزرگ عام لوگوں سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ باقی جو اصل حقیقت ہے وہ تو خُدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

Marfat.com

شجرۂ طریقہ چشتیہ

حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ
حضرت علی کرم اللہ وجہہ
حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ
حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ
حضرت حذیفہ مرعشی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ھبیرہ بصری رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ممشاد علو دینوری رحمتہ اللہ علیہ
حضرت اسحاق شامی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت احمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابو محمّد چشتی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ناصر الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت قطب الدّین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت حاجی شریف زندانی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت معین الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

شمع جمال

شیخ الشیوخ

حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

طریقہ سہروردیہ، شجرۂ طریقت

Marfat.com

Marfat.com

شَیخ الشیُوخ حضرت شہابُ الدِّین عُمربن مُحمّد سُہرَوردی

رَحمتہُ اللہ عَلیہ

حضرت شیخ عبدُالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ جب غوثیتِ عظمیٰ کے مقام پر فائز رُشد و ہدایت اور وعظ و تلقین میں مشغول تھے تو تقریباً" گیارہ سال کی عمر میں شیخ شہاب الدّین عمرؔبن محمدؔ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اپنے چچا شیخ ضِیا الدّین ابُوالنّجیب عبدالقاہر سُہروردی قدس سرّہ' کے پاس تعلیم و تربیت کے لئے بغداد میں وارد ہوئے۔ اس لئے اِسلامی تاریخ میں ان کا دور وہی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا دور ہے۔ انہی حالات میں انہوں نے مختلف اَساتذہ سے متداول علوم کی تعلیم حاصل کی اور اپنے چچا کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی رُوحانی فیض کی نعمت پائی۔

حضرت شیخ شہابُ الدّین ابو حفص عُمربن مُحمد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ ایران کے ایک چھوٹے سے قصبے سُہرَورد میں ۵۳۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان کا سلسلہء نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے' ان کے چچا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر شیخ تھے۔ بغداد میں دجلہ کے کنارے ان کی اپنی خانقاہ تھی۔ جہاں وہ انہی کی طرح دارالخلافہ میں درس و وعظ کے ذریعہ فریضہء خدمت و تربیت سرانجام دے رہے تھے۔ للذا ظاہری و باطنی تعلیم کے لئے شیخ شہاب الدین عمر رحمتہ اللہ علیہ کو بچپن میں ہی ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہاں انہوں نے جیّد اساتذہ سے فِقہ و حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی اور اپنے محترم بزرگ چچا کے علاوہ حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے فیضِ رُوحانی سے بھی مُستفیض ہوئے۔

کہا گیا ہے کہ جوانی میں فلسفہ و کلام سے ان کا شغف بڑھ گیا تھا۔ آپ کے چچا آپ کو حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے پاس لائے جنہوں نے آپ کے سِینے پر

Marfat.com

ہاتھ رکھا تو سب اُلجھنیں دور ہو گئیں اور باطنی عُلوم کے دروازے کُھل گئے۔ حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نے پیشگوئی بھی فرمائی کہ عُمر! تم عِراق کے آخری مشہور بزرگوں میں سے ہو یعنی ہمارے بعد جو لوگ رُشد و ہِدایت کے مقام پر فائز ہوں گے، تُم اُن میں سے ایک ہو۔

سُلوک کی تربیّت کے ابتدائی ایّام میں جزیرہ عبادان میں آپ مُعتکف رہ کر عبادت میں مصروف رہے۔ رِجال غیب اور ابدال کے ساتھ صُحبت رہی۔ یہیں خِضر عَلیہ السّلام سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ آپ نے کئی حج کئے اور خانہ کعبہ میں بھی کئی سال تک معتکف رہے۔ جب حکم ملا تو واپس بغداد چلے آئے۔

اپنے چچا کی وفات کے بعد آپ خانقاہ میں اُن کی جگہ پر بیٹھے اور وعظ و درس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے وعظ اور درس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے آپ کے پاس آنے لگے۔ انھی میں حضرت خواجہ فرید الدّین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے جو آپ کی صُحبت سے فیضیاب ہوئے اور دوسرے حضرت خواجہ بہاؤ الدّین ذِکریا مُلتانی رحمتہ اللہ علیہ تھے، جنھوں نے خلافت پائی اور ہندوستان میں ان کے طریقے کی خوب اشاعت کی۔

آپ اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور قُطبِ ارشاد تھے۔ صاحِب نفحات الانس نے لکھا ہے کہ "در وقتِ خودِ شیخ الشیُوخ بغداد بود و اربابِ طریقت از بلادِ دوُر و نزدیک استفتائی مسائل از وے کردے" (آپ بغداد میں اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے اور دور و نزدیک کے علاقوں سے اربابِ طریقت ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے)۔

امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ نے بقول صاحِب نفحات الانس آپ کے وہ القاب لکھے ہیں جو آپ کے اپنے زمانے میں یا بعد کے ادوار میں بزرگوں نے آپ کے لئے پسند اور استعمال کئے : "اُستادِ زمانہ، مَطلعُ الانوار، مَنبعُ الاسرار، تَرجمانُ الحقیقت، عُمدۃ السَّالکین، قُدوۃ العَارِفین، عَالِم رَبّانی وغیرہ"۔

حکمران آپ کو دوسرے بادشاہوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجتے اور سرکاری طور پر بغداد میں وارد ہونے والے علماء و صوفیاء کا استقبال بھی آپ کے ذمہ تھا۔ چنانچہ مولانا

Marfat.com

جلال الدین بلخی رُومی رحمتہ اللہ علیہ کے والد روم جاتے ہوئے جب اپنے قافلے کے ساتھ بغداد سے گذرے تو ان کا استقبال بھی حضرت شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ نے کیا۔

۶۱۴ ہجری میں آپ کو خلیفہ الناصر کی طرف سُلطان محمد بن تکش خوارزم شاہ کے پاس بھی بھیجا گیا کہ وہ بغداد پر لشکر کشی سے باز رہے۔ آپ گئے اور گو وہ نہ مانا مگر موسم ایسا خراب ہوا کہ وہ خائب و خاسر واپس چلا گیا۔

سلاطین سلاجقہ کے دارالحکومت قونیہ میں تین بار بطور سفیر ہو کر گئے۔ ان سفارتوں کی وجہ سے دربار میں آپ کو رسوخ حاصل تھا اور ان کی وجہ سے خانقاہ میں آمدنی بھی خاصی ہو جاتی تھی لیکن جو کچھ آتا' آپ اسی روز اسے راہ خدا میں صرف کر دیتے تھے۔

۶۳۸ ہجری میں آپ کی بغداد میں ہی شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی مگر کہتے ہیں کہ ان کی آپس میں گفتگو نہیں ہوئی۔ بعد ازاں جب لوگوں نے شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا : "وہ بحر مواج ہیں جس کی کوئی حد نہیں"۔ جب شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ سے شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں رائے پوچھی گئی تو انہوں نے کہا : "ان کی پیشانی میں نبی ﷺ کی متابعت کا نور عجیب چیز ہے"۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ شریعت و طریقت میں اعتدال و توازن کو نگاہ میں رکھنے والے بزرگ تھے۔ "عوارف المعارف" میں آپ نے سماع کو اگرچہ جائز قرار دیا ہے مگر اسے کچھ پابندیوں کے ساتھ قبول کیا ہے۔ مشائخ چشت رحمتہ اللہ علیہ "عوارف المعارف" کو بہت بلند مقام تصنیف سمجھتے تھے لیکن اس مسئلے پر انہیں بھی شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ کی یہ رائے کچھ زیادہ پسند نہیں آئی۔ چنانچہ "فوائد الفواد" میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے : "بعد ازاں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر شروع ہوا کہ وہ سماع نہیں سنا کرتے تھے۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ

Marfat.com

شیخ نجم الدّین کبریٰ علیہ الرحمتہ و الرضوان فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ جو نعمت ہو سکتی ہے' وہ شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کو دی گئی تھی مگر سماع کا ذوق عطا نہیں فرمایا گیا تھا۔"

بے شمار علماء نے آپ سے حدیث کی سَنَد لی۔ رُوحانی طریقے کے خلفاء بھی بہت تھے' جن میں سے ہند و پاک میں شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ معروف ہیں۔

شیخ مُصلح الدّین سَعدی شِیرازی رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ کے مُرید تھے' انہوں نے ایک جگہ ان کا ذکر یوں کیا ہے:

مرا پیر دَانائے مُرشد شَہاب دو انداز فرمُود بر رُوئے آب
یکے آنکہ بَرخویش خوُد بیں مبَاش دِگر آنکہ بَر غیر بَدبیں مبَاش

(بحری سفر کے دوران میں میرے شیخ حضرت شہاب الدین نے دو نصیحتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ خودبیِن و خوُد پسَند نہ ہونا اور دوسری یہ کہ دوسروں کے بارے میں بدبیِن نہ ہونا یعنی عیَب جوئی نہ کرنا)۔

عربی زبان میں نِصابِ طریقت کے بارے میں ان کی زندۂ جاوید تصنیف "عوَارفُ المعَارف" ہے۔ یہ کتاب آپ رحمتہ اللہ علیہ نے مکّہ مُعظمہ کے قیام کے دوران اس حال میں لکھی کہ بقول صاحِب نفحات الانس "ہر گاہ کہ اَمری مُشکل شُدی' بخدَائے تعالیٰ باز گشتی و طوافِ خانہ کردی و طلَب و تَوفیق کردی در دفع واشکال و دانستن آنچہ حقّ است"۔ (جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے اور اللہ سے مشکل کے حل اور حق جاننے کی توفیق طلب کرتے) حضرت مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدّین بُخاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی مجلسوں میں بارہا فرماتے تھے: "اگر کسی شخص کا کوئی پیر و مُرشد نہ ہو اور وہ عوَارف المعارف غور سے پڑھے اور اس پر عمل کرے تو بے شک وَلی ہو جائے گا۔"

ترِانوے برَس کی عمر میں ۶۳۲ ہجری کو انتقال فرمایا۔ بغداد میں ہی مدفون ہوئے۔

Marfat.com

شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ (۵۶۶ھ-۶۶۱ھ) نے بغداد پہنچ کر چند ہی دنوں کے قیام کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی۔ ملتان واپس آکر نہایت اِنہماک و تنظیم کے ساتھ تبلیغ دین و اشاعت تصوّف میں لگ گئے۔ کہا گیا ہے کہ "حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا ملتانی علیہ الرحمتہ کے فیوض و برکات کے انوار سے نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان مُنوّر ہو گیا تھا اور آپ کے عہد کو خیر الاعصار کہا جاتا ہے۔"

تقریباً" چھیانوے سال کی عمر میں وفات پائی : "جس دن شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ حضرت فرید الدّین مسعود گنج شکر علیہ الرحمتہ پاکپتن میں تھے اور ذکر و مراقبہ میں مصروف تھے۔ دفعتاً" آپ پر غشی کا عالم طاری ہو گیا۔ جب ہوش میں آئے تو آبدیدہ ہو کر شیخ عبداللہ بلخی کی طرف دیکھا اور فرمایا : آج برادرم بہاؤ الدین کا وِصال ہو گیا۔ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے کہ ایک ہزار فرشتے ان کے آگے اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اُن کے پیچھے ہیں۔ اور شیخ بہاؤ الدین رحمتہ اللہ علیہ کو آسمان کی طرف لئے جاتے ہیں' پھر فرمایا' آیئے تاکہ اپنے بھائی کا جنازہ پڑھیں' چنانچہ خانقاہ کے تمام افراد وضو کر کے جمع ہو گئے اور حضرت گنج شکر علیہ الرحمتہ کی اِمامت میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔"

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت رُکن الدّین عارف رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے جیّد خلفاء نے آپ کے کام کو جاری رکھا اور برصغیر ہندوپاک میں طریقۂ سُہروَردیہ کو پھیلایا۔

عوارف المعارف :-

حمد و ثناء کے بعد وجہ تصنیف یہ بیان فرمائی ہے کہ شیخ الشیُوخ علیہ الرحمتہ گروہ صوفیاء کے بارے میں حقائق و آداب تحریر کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچا سکیں اور اصلی و نقلی صوفیوں میں تمیز ہو سکے--- اس کے بعد تریسٹھ ابواب میں حضرت شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت

Marfat.com

ترتیب کے ساتھ قرآن و حدیث و اقوال اولیاء اللہ کی روشنی میں صوفیاء کے علوم کا جائزہ لیا ہے۔

صُوفی کو وہ ایسا صاحبِ حال مُقربِ بارگاہ سمجھتے ہیں جسے اللہ نے دِینی و رُوحانی بصیرت عطا کی ہو۔ صوفی ہر وقت اپنے کان اور آنکھ کھلی رکھتا ہے اور رحمتِ الٰہی کا منتظر رہتا ہے۔ دنیادار عالم مُتکبّر ہوتا ہے مگر درویش عالم کسی امتیازی شان کا طلبگار نہیں ہوتا۔

تابعین کے بعد نیک لوگوں کے لئے "صوفی" نام رائج ہو گیا۔ فرماتے ہیں: "یہ نام ان کی نشانی ہے۔ علم الٰہی ان کی صفت ہے۔ عبادت ان کا حلیہ ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری ان کا شعار ہے اور حقیقت کے حقائق ان کے اسرار و رموز ہیں۔"

حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اہل خانقاہ کی فضیلت اور خانقاہ کے آداب بیان کرتے ہیں۔ خانقاہ میں رہنے والوں کو چاہئے کہ ذکر و فکر میں مشغول رہیں اور طریقہ میں نئے داخل ہونے والوں کو چاہئے کہ وہ خانقاہ میں مقیم مقربین بارگاہ الٰہی کی خدمت کریں۔ شیخ یا پیر اہل خانقاہ اور دوسرے مریدوں کی رہبری کرتا ہے۔

آداب درویشی اور نکاتِ معرفت:-

"اگر خُدا کسی بندے کو شروع میں پریشانیوں سے محفوظ رکھے اور اپنے وطن (حضر) ہی میں دل جمعی اور خوش نصیبی عطا کرے اور ایسی شخصیتوں کی صُحبت عطا کرے جن کے ذریعے روحانی زندگی سدھر سکے تو یہ سمجھو کہ اس پر خُدا کا بڑا احسان ہے۔ خدا تعالیٰ کی مندرجہ ذیل آیت ہے: "جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (مصائب سے) مخلصی کی راہ نکالے گا اور اس کے لئے اس جگہ رِزق فراہم کرے گا جہاں سے اس کا شان و گمان بھی نہیں ہو گا۔"

"درویشوں کو چاہئے کہ سفر کے لئے روانہ ہونے سے پیشتر صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے نماز استخارہ پڑھیں۔ اس نماز کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ خواہ درویش کو اپنی صحیح صورت حال واضح طور پر معلوم ہو جائے کیونکہ نیک

Marfat.com

نیت کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف درجات ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگوں پر حقیقت جلد واضح ہو جاتی ہے تاہم سُنّت کی پابندی کرنے کے لئے نماز استخارہ چھوڑنی نہیں چاہئے۔ اس میں برکت ہے اور رسول کریم ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے۔"

"جب اس شہر کے قریب پہنچ جائے جہاں قیام کرنے کا ارادہ ہو تو وہاں کے زندوں اور مُردوں کو اشارہ سے سلام کرے۔ اور جس قدر ممکن ہو' قرآن مجید پڑھ کر زندوں اور مُردوں کو تحفہ کے طور پر پیش کرے اور تکبیر پڑھے۔"

"ہمارے شیخ محترم ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت فرماتے تھے کہ وہ صرف نہایت خوشگوار اوقات ہی میں روحانیت کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے گفتگو کیا کریں۔ اس صورت میں انہیں زبردست فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس وقت ان کے کلام کا نورانی فیض قلب کے نورانی فیض کے مطابق جاری ہو گا اور اسی اندازے کے مطابق نورانی کلام کی سماعت ہو گی"۔

"خدا کا حُسنِ اَزل پاکیزہ رُوحوں پر جلوہ گر ہوتا ہے جو عقل و اِدراک کی فہم و تشریح سے بالاتر ہے کیونکہ عقل کا تعلق ظاہری عالم سے ہے۔ اسے خدا کے وجود کا پتہ چلا ہے۔ اس کی "حریمِ شہود" میں رسائی نہیں ہے جو صرف عالمِ غیب کی تجلیات میں پوشیدہ ہے مگر ارواحِ قدسیہ اس کا انکشاف کر لیتی ہیں۔"

"مشائخ نے سماع کو چند شرائط' قیود اور آداب کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ اس سے ان کا مقصد تھا کہ وہ آخرت کو یاد کر کے جنت کی طرف راغب ہوں اور دوزخ سے محفوظ رہیں۔ علاوہ ازیں اس سے ان کی طلب شوق میں اضافہ اور روحانی حالت کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ اس کے باوجود سماع کی یہ محفلیں اتفاقیہ یعنی کبھی کبھی ہوتی تھیں۔ اسے انہوں نے عادت اور معمول نہیں بنایا تھا کہ اس کی وجہ سے اوراد و وظائف کو چھوڑ

Marfat.com

دیا جائے۔"

"جب تک ایک مرد کامل جادۂ استقامت پر گامزن رہے اور اپنے ذاتی رجحانات کی وجہ سے اپنے مقررہ راستے سے منحرف نہ ہو اس وقت تک سماع کے ذریعہ اس پر وجد طاری نہیں ہو گا۔"

"(شیخ سہل رحمتہ اللہ علیہ نے) فرمایا: "روحانی طاقت یہ ہے کہ شیخ کامل پر کوئی جذبہ طاری ہو تو اسے روحانی طاقت سے برداشت کرے اور اس کا عارضی جذبہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔"

"کبھی اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو کشف عطا فرماتا ہے مگر جن کے روحانی مراتب بلند ہوتے ہیں' انہیں اس کشف کا کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں ایمان اور یقین کی تقویت کے لئے ہیں مگر جسے یقین کامل عطا ہو چکا ہو' اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ تمام کرامات قلب میں ذکر کے جاگزیں ہونے اور ذکر ذات ہو جانے سے کم درجے کی ہیں۔"

"ایک دفعہ میں اپنے شیخ ابوالنجیب ضیاء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ شام کے سفر میں تھا۔ کچھ دنیا داروں نے فرنگی قیدیوں کو (جو صلیبی جنگ میں قید ہو گئے تھے) بیڑیوں میں جکڑ کر اور ان کے سروں پر کھانا رکھوا کر ہمارے پاس بھیجا۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو قیدی برتنوں کے خالی ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت شیخ محترم رحمتہ اللہ علیہ نے خادم کو حکم دیا کہ قیدیوں کو لایا جائے تاکہ وہ بھی درویشوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھیں چنانچہ جب انہیں لاکر ایک ہی صف میں دسترخوان پر بٹھا دیا گیا تو ہمارے شیخ محترم رحمتہ اللہ علیہ اپنے سجادہ سے اٹھ کر ان کے ایک فرد کی طرح ان کے درمیان بیٹھ گئے اور انہی کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس وقت ہمیں ان کے

Marfat.com

چہرے پر ان کے باطنی پرخلوص تواضع' عاجزی اور انکساری کی وہ جھلک نظر آئی جس سے ان کے ایمان اور وسیع علم و عمل کا پتہ چلتا ہے۔"

"صوفی کی پاک طینت اور اس کی شریف فطرت اسے ایثار کی طرف آمادہ کرتی ہے بلکہ خدا اسے اس وقت صوفی بناتا ہے جب اس کی فطرت اس کے قابل ہو جاتی ہے چنانچہ جس کی فطرت میں سخاوت ہو' وہ صوفی بن سکتا ہے کیونکہ سخاوت ایک فطری صفت ہے اور بخل اس کی متضاد صفت ہے جو نفسانی صفت کے لوازم میں سے ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو بخل اور خود غرضی سے محفوظ ہو جائیں' وہ فلاح پائیں گے۔"

"صوفیاء کی ایک اخلاقی صفت یہ ہے کہ کھلا خرچ کیا جائے اور ذخیرہ نہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی خدا کی بخشش کے خزانوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کے ساحل پر مقیم ہو اس لئے اپنے مشکیزہ اور پکھال میں پانی جمع نہ رکھے۔"

"صوفی کے دل اور اس کی روحانیت کی سلامتی کینہ اور حسد کے جھاگوں کو اس طرح نکال کر باہر پھینک دیتی ہے جس طرح سمندر جھاگوں کو نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں ہیبت و محبت کی موجوں کا تلاطم ہے۔"

"کہتے ہیں' ظاہر اور باطن' دونوں حالتوں میں ادب اختیار کرو۔ اگر کسی نے ظاہری طور پر بے ادبی کی تو اسے ظاہری طریقے پر سزا مل جائے گی۔ اور اگر کسی نے باطنی طور پر بے ادبی کی تو اسے باطنی سزا دی جائے گی۔"

"شیخ ابونصر السراج رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: خواص دیندار حضرات کے آداب یہ ہیں

Marfat.com

کہ ان کے دل پاکیزہ ہوتے ہیں۔ وہ راز دار' عہد و پیمان اور وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ وسوسوں اور عارضی تصورات و خیالات کی پروا نہیں کرتے۔ پوشیدہ اور علانیہ ہر حالت میں یکساں رہتے ہیں۔ طلب کے مواقع' مقامات قرب اور اوقات حضور میں نہایت باادب ہوتے ہیں۔"

"صوفیاء کرام بُری عادتوں اور مذموم اخلاق سے باطن کو صاف کرنے میں انتہائی کوشش کرتے ہیں لیکن ظاہری طہارت میں اس قدر مبالغہ نہیں کرتے تھے کہ علم شریعت کی حد سے تجاوز کر جائیں۔"

"نمازی کے بہترین آداب یہ ہیں کہ اس کے دل میں کسی چیز کا خیال نہ ہو خواہ کم ہو یا زیادہ' کیونکہ داناؤں نے دنیا کو چھوڑ کر نماز کو اختیار کیا ہے۔ ورنہ دنیا اور اس کے کام قلب کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے غیرت میں آکر انہیں ترک کر دیا ہے۔ اس سے ان کا مقصد خدا سے مناجات کے مقام کی حفاظت اور قربت خداوندی کی طرف رغبت ہے۔ وہ پروردگار عالم کے باطنی طور پر مطیع ہیں اور نماز میں بظاہر حاضر ہونے سے نہ صرف ظاہری اطاعت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اسی طرح نماز میں ہمہ تن صرف خدا کی طرف متوجہ ہو کر باطنی اطاعت کا ثبوت بھی دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندگان حق یہ اچھا نہیں سمجھتے کہ ظاہر حاضر ہو اور باطن پیچھے رہ جائے۔ اس طرح ان کے ایمان و اطاعت میں خلل ہوتا ہے اور ان کی عبودیت منقطع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب نماز شروع کی جائے تو باطن کسی اور چیز میں مشغول رکھنے سے پرہیز کیا جائے۔"

"احوال و اعمال روح و جسم کی طرح ہیں جب تک انسان دنیا میں موجود ہو' اس وقت تک اس کا اعمال سے اعراض کرنا سرتاپا سرکشی ہے۔ کیونکہ اعمال روحانی احوال سے پاکیزہ ہو جاتے ہیں تو احوال' بھی اعمال کے ذریعے نشوونما پاتے ہیں۔"

Marfat.com

"آداب طعام کا بہترین اور اہم نکتہ یہ ہے کہ خوب بھوک لگنے کے بعد کھانا کھایا جائے اور پیٹ بھرنے سے پہلے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی اپنے پیٹ سے بدتر کسی ظرف کو نہیں بھرتا۔"

"صوفیاء کرام پاکیزگیٔ اخلاق کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انہیں پاکیزہ اخلاق محض اس وجہ سے حاصل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اس قسم کی صلاحیت ' قابلیت اور استعداد رکھی تھی اور ان کے پاکیزہ اخلاق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہیئت نفس میں تناسب پایا جاتا ہے اور اسی تناسب کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ (جب میں اسے ہموار کروں اور اس میں اپنی رُوح سے پھونک دوں) اس ہمواری اور تسوّیہ سے مُراد تناسب ہے۔ لہٰذا یہی مناسب ہے کہ ان کا لباس ان کے کھانے کے مطابق ہو' ان کا کھانا ان کے کلام کے مطابق ہو اور ان کا کلام ان کی نیند کے مطابق ہو۔ کیونکہ نفس میں جو تناسب پایا جاتا ہے' وہ علم کا پابند ہے اور علم ہی مختلف حالات کی مشابہت و مماثلت کے بارے میں صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔ اسی لئے ہر زمانے کے صوفیاء کرام خواہش کی آمیزش کے باوجود کسی نہ کسی حد تک تناسب کو ضروری خیال کرتے ہیں اور جس حد تک وہ تناسب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں' وہ سب کچھ ان کے بزرگانِ سلف کے حال کا نتیجہ ہے۔"

"بزرگوں کی ایک بڑی جماعت اس قسم کا جھوٹا موٹا لباس (گدڑی وغیرہ) پہنا کرتی تھی۔ مگر نیک بندوں کی ایک جماعت ہے جو درویشوں جیسا لباس زیب تن نہیں کرتی ہے۔ اس طرح ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی حالت کو چھپائیں یا انہیں اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ درویشانہ گدڑی کا حقّ ادا نہیں کر سکیں گے۔"

"ہمارے شیخ محترم ابوالنجیب سُہرَوردی رحمتہ اللہ علیہ کسی مخصوص لباس کے پابند نہ

Marfat.com

تھے بلکہ بلامقصد و ارادہ جو لباس مل جاتا' پہن لیتے۔ دس دینار کا عمامہ بھی پہن لیتے تھے اور ایک دانق کا عمامہ بھی پہنتے تھے۔ البتہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا مخصوص لباس اور مخصوص طیلسان ہوتی تھی۔ شیخ علی بن الہیتی رحمتہ اللہ علیہ نے عراق کے دیہاتی درویشوں کا لباس اختیار کر رکھا تھا اور زنجان کے شیخ ابوبکر الغراء رحمتہ اللہ علیہ عام لوگوں کی طرح موٹی پوستین پہنتے تھے۔ اس طرح ہر ایک کے لباس اور وضع میں نیک نیتی مضمر تھی جس کے فرق مراتب کی تشریح بہت طویل ہے۔"

"بہرکیف موٹا لباس پہننا بہتر اور افضل ہے کیونکہ بندۂ حق اس کے ذریعے بہت سی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔"

"چونکہ ہر سالک کے حالات مختلف ہوتے ہیں لہٰذا جس کی روحانی حالت صحیح علم کی بدولت درست ہو' اس کی نیت کھانے پینے اور دیگر تصرفات میں درست ہوتی ہے اور باطنی استقامت کے ساتھ اس کے تمام حالات بھی درست رہتے ہیں یعنی اس کے باطن میں جس قدر استقامت ہوتی ہے' اسی قدر توفیق ایزدی سے بندۂ حق کے تمام تصرفات درست ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

"جب کوئی مرید صادق رات کی خلوت گاہ میں اپنے رب کی مناجات میں مصروف ہوتا ہے تو رات کے تمام انوار و تجلیات اس کے دن کے حصوں پر چھا جاتے ہیں اور اس کا دن اس کی رات کے زیر حفاظت آ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا قلب انوار و تجلیات سے معمور ہوتا ہے' اس لئے دن کے وقت اس کی تمام حرکات و تصرفات رات کے سمٹے ہوئے انوار و تجلیات کے سرچشمے سے صادر ہوتے ہیں اور اس کا قلب خاکی گنبد حق میں محصور ہو جاتا ہے' جہاں اس کی حرکات و سکنات کو درست کیا جاتا ہے جیسا کہ منقول ہے: جو شخص رات کے وقت نماز پڑھتا ہے' اس کا چہرہ دن کے وقت خوبصورت ہو جاتا ہے۔"

Marfat.com

''جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو بہترین ادب یہ ہے کہ بیدار ہوتے ہی اس کا باطن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہ سب سے پہلے اللہ کے کاموں پر غور و خوض کرے۔ اس کے بعد وہ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ دے۔''

''شب بیداری میں یہ چیزیں حائل ہوتی ہیں: دنیا کے بہت سے کاموں میں مشغول ہونا' اعضاء کا تھک جانا' شکم سیری' بہت زیادہ باتیں بنانی اور شوروغل کرنا' نیز دن کا قیلولہ ترک کرنا' بہرحال کامیاب وہی ہے جو اپنے وقت کو غنیمت سمجھے' اپنے درد اور اس کی دوا سے واقف ہو اور اس میں غفلت اختیار نہ کرے ورنہ اسے نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔''

''سالکِ طریقت کو اپنے باطن کا بھی ویسا ہی خیال رکھنا چاہئے جیسا وہ اپنے ظاہر کا خیال رکھتا ہے۔ کیونکہ جب وہ گذشتہ دیدہ و شنیدہ واقعات کا تصور اپنے نفس اور ذہن میں لاتا ہے تو بباطن وہ ایک دوسرا شخص بن جاتا ہے۔ اس لئے اسے مراقبہ اور دلی توجہ کے ذریعے اپنے باطن کو اسی طرح پابند بنانا چاہئے۔''

''شیخ کی بارگاہ میں مُرید کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کے کنارے بیٹھا خدا کی طرف سے رزق کا انتظار کرے' وہ بھی گوش بر آواز ہو کر کلام شیخ کے سماع کے ذریعے روحانی رزق کا انتظار کرتا ہے۔ اس طرح اس کی عقیدت مندی اور طلب حق کا مقام مستحکم ہوتا ہے مگر جب وہ خود بات کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جذبہ اسے مقام طلب سے لوٹا دیتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے۔ یہ مرید کی بڑی زیادتی اور غلطی ہے۔''

''کہتے ہیں' تصوّف سراپا ادب ہے۔ چنانچہ ہر وقت اور ہر مقام کے لئے مخصوص ادب

Marfat.com

ہے جو ادب کو اختیار کرتا ہے' وہ مردِ کامل کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور جو ادب سے محروم رہے وہ مقامِ قربُ سے دُور اور مقامِ قبول سے مرُدود ہوتا ہے۔"

"بعض مرُیدوں پر اپنے شیخ کا اس قدر ادب اور رُعب طاری رہتا ہے کہ کہ وہ شیخ کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ خود میری یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ مجھے بخار آیا' اس موقع پر جب میرے چچا اور شیخ محترم ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ گھر میں داخل ہوئے تو میرا تمام جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اس وقت میں بھی پسینہ لانا چاہتا تھا کہ بخار ہلکا ہو جائے۔ چنانچہ شیخ محترم رحمتہ اللہ علیہ کے داخل ہونے پر یہ بات حاصل ہو گئی اور آپ کی آمد کی برکت سے مجھے شفا ہو گئی۔"

"ایک اصول ادب یہ ہے کہ مرید شیخ سے اپنا حال اور اپنے فیوضات ربانی' کرامت و اجابت کو پوشیدہ نہ رکھے بلکہ اپنا وہ حال جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے' شیخ کے سامنے ظاہر کر دے اور جس کے اظہار سے شرماتا ہو' اس کا اشارہ و کنایہ سے ذکر کرے۔ کیونکہ اگر مرید کا ضمیر کسی بات کو چھپائے اور شیخ سے اپنا حال بیان نہ کرے تو اس کے باطن میں ایک گرہ لگ جاتی ہے مگر شیخ سے اس کا اظہار کرنے سے وہ گرہ کھل جاتی ہے اور اس کی اندرونی کوفت دور ہو جاتی ہے۔"

"آدابِ مریدین کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ مرید اپنے روحانی واقعات اور کشف پر شیخ سے رجوع کئے بغیر اعتماد نہ کرے کیونکہ شیخ کا علم اس سے زیادہ وسیع ہے اور اس کا دروازہ خدا کی طرف زیادہ کشادہ ہے۔"

"تعجب ہے کہ ایک صحرا نشین اپنی اراضی اور اس کے پودوں سے بخوبی واقف ہو' ہر پودے اور اس کی زمین کو پہچانتا ہو بلکہ ہر صنعت کار اپنے پیشے کے نفع نقصان سے اچھی طرح واقف ہو' یہاں تک کہ ایک عورت بھی اپنی روئی اور سوت کی باریکی اور

Marfat.com

موٹائی سے بخوبی واقف ہو لیکن شیخ اپنے مرید کے حال اور اس کی صلاحیت سے ناواقف ہو۔"

"حضرت جُنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ دو رکعت نماز ادا کرنا تمہارے پاس بیٹھنے سے بہتر ہے تو میں تمہارے پاس نہ بیٹھتا۔

لہٰذا جب شیخ خلوت میں فضیلت دیکھے تو خلوت نشین ہو جائے اور جب یہ دیکھے کہ محفل میں بیٹھنے میں فضیلت ہے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے۔ اس طرح جلوت، خلوت کی حفاظت کا ذریعہ بن کر اس کی خلوت نشینی میں اضافہ کا باعث بن سکتی ہے۔"

"شیخ رقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں مصر کی ایک مسجد میں درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں شیخ زقاق رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ ہم نے کہا کہ جب شیخ نماز سے فارغ ہوں گے تو ہم کھڑے ہو کر انہیں سلام کریں گے۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو خود ہمارے پاس آکر انہوں نے سلام کیا، ہم نے عرض کیا: "ہمیں شیخ سے پہلے سلام کرنا تھا"۔ آپ نے فرمایا: "خدا نے کبھی میرے دل کو اس عذاب میں نہیں ڈالا کہ میں اپنے آپ کو اس کا پابند بناؤں کہ میری تعظیم کی جائے اور لوگ میرے پاس آئیں۔"

"مشائخ کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ مریدوں کے مال اور خدمت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ چونکہ ان کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی ذات اور ہدایت عوام صرف خدا کے لئے ہوتی ہے اور شیخ اصلاح مرید کے لئے جو کام سرانجام دیتا ہے، وہ بہترین صدقہ ہوتا ہے۔"

Marfat.com

"مشائخ مریدوں کے رازدار ہیں' چنانچہ مریدوں کو جو مکاشفات و فیوض حاصل ہوں ان کا رازداں یا تو ان کا پروردگار ہوتا ہے یا شیخ' اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے' تاہم مرید اپنی خلوت گاہ میں جو مکاشفات' الہام' یا خلاف عادت چیز کا مشاہدہ کرے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ اس کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کرے اور اسے سمجھائے کہ اس قسم کی چیزوں پر اعتماد کرنا خدا کی راہ میں رکاوٹ ہے' اس سے فتوحات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تاہم اس کے علاوہ اور بھی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اس لئے شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کو بتائے کہ اس کا مقصد اصلی یہ ہے کہ وہ منعم کی تلاش کرے نہ یہ کہ محض نعمت پر قناعت کرے۔"

"صحیح خلوت نشین کو مونس و ہمدرد دوست کے بغیر نہیں رکھا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے کام میں کوتاہی کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہمدرد بنا کر بھیجتا ہے جو اس کی روحانیت کی تکمیل کرے اور اگر اس میں کوتاہی نہیں تو اللہ تعالیٰ مریدوں میں سے کسی کو اس کا مونس بنا دیتا ہے۔ یہ محبت عام قسم کی محبت نہیں ہوتی بلکہ خدا کی جانب سے محض خدا کی رضا جوئی کے لئے قائم ہوتی ہے۔"

"نیت اور چھان بین کئے بغیر اتفاقاً" کسی کی صحبت اور دوستی اختیار کرنا غافل اور جاہل نادانوں کا شیوہ ہے جو کاموں کی نیت و مقاصد اور ان کے نفع و نقصان سے واقف نہیں ہوتے۔"

"یہ بھی صوفیانہ آداب میں شامل ہے کہ روحانی بھائیوں کی خدمت کے لئے کمربستہ رہا جائے اور ان کی طرف سے تکالیف کو برداشت کیا جائے۔ اس طرح درویش کا اصل جوہر ظاہر ہوتا ہے۔"

"صوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ اس شخص کی صحبت کو ترک کرتے تھے جو دنیا کے فضول

Marfat.com

کاموں میں مشغول رہتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تم اس سے روگردانی کرو جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیرا اور جس کا مقصد صرف دنیاوی زندگی ہو۔"

"اہل دل کسی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد پھر جدا ہونے سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔

"کہتے ہیں ایک آدمی ایک بزرگ کے ساتھ رہنے لگا۔ اس کے بعد اس نے جدا ہونے کا ارادہ کیا اور ان بزرگ سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے فرمایا: اس شرط پر اجازت ہے کہ آئندہ تم اس کی صحبت اختیار کرو جو ہم سے بڑھ کر ہو بلکہ اس کے ساتھ بھی نہ رہو کیونکہ تم سب سے پہلے ہماری صحبت میں رہے ہو۔ یہ سن کر اس آدمی نے کہا: اب میرے دل میں جدا ہونے کا خیال باقی نہیں رہا۔"

"بعض بزرگ ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر حق کے سوا اور کس چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر انہیں حظ نفس کا تصور بھی آ جائے تو اسے روحانی گناہ سمجھتے ہیں اور جس طرح گناہوں سے استغفار کی جاتی ہے' اسی طرح وہ اس پر بھی استغفار کرتے ہیں مگر بعض بزرگوں کو خدا کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور انہیں اس اجازت کا علم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ حظ نفس اور اس کے تصور سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مشائخ کے درجے پر ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے روحانی احوال اور اس کی کمی بیشی کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں کاموں کی بصیرت حاصل ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے روحانی حال پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاتا نہ ان کی تقلید کی جاتی ہے کیونکہ یہ مخصوص بندے کے لئے مخصوص صورت حال ہے۔"

"رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اگر کسی دن میرے علم میں اضافہ نہ ہو تو اس دن کی صبح میرے لئے مبارک نہیں۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ یہ دعا فرماتے تھے: اے خدا! جس کام میں میری

Marfat.com

رائے کوتاہی کرے اور میرا عمل کمزور رہے اور میری نیت اور تمنا اس تک نہ پہنچ سکے، تاہم اگر تو نے اس بھلائی کو دینے کا وعدہ کیا ہو یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو دینے والا ہو تو میں بھی راغب ہوں اور اس کا تجھ سے طلبگار ہوں۔

فیوضات و برکات خداوندی غیر محدود ہیں اور روحانی احوال بھی فیوض ہیں۔ ان کا ان کلمات الٰہی سے تعلق ہے جو ختم نہیں ہو سکتے، خواہ سمندر کے قطرے ختم ہو جائیں اور ریت کے ذرے فنا ہو جائیں مگر وہ کلمات ختم نہیں ہو سکتے، وہی نعمت دینے والا اور عطا کرنے والا ہے۔"

"تمام کرشمہ چار چیزوں کا ہے۔ ان چار اصول میں ایمان کے بعد دوسرے درجہ پر سچی اور مخلصانہ توبہ ہے، تیسرا اصول زہد ہے، چوتھے اصول مقام بندگی کی اس طرح تحقیق ہے کہ سستی اور کوتاہی کے بغیر علانیہ اور پوشیدہ حالت میں دل و جان اور ظاہری جسم کے ساتھ اللہ کے لئے ہمیشہ نیک کام کئے جائیں۔"

"فنا کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ طالب حق اپنے ہر قول و فعل میں اللہ کی طرف رجوع کرے اور اپنے تمام کاموں میں اللہ کی اجازت کا منتظر رہے تاکہ ہر کام کا ذمہ دار وہ خود نہ ہو بلکہ خدا ہی ذمہ دار ہو۔ ایسا شخص جو اپنے اختیار و ارادہ کو ترک کر کے خدا کے فضل کا منتظر رہے، فانی ہے۔ اسی طرح جو اپنے تمام کاموں میں خدا کی اجازت کا منتظر رہے اور ہر چیز میں اللہ کی طرف رجوع کرے، وہ بھی فانی ہے۔

"(اس فنا کے بعد) جب اللہ کسی کے اختیارات کو بحال کر دے اور اسے اپنے کاموں میں تصرف کرنے کے لئے خود مختار بنا دے اور وہ خدا کے فعل اور اس کی اجازت کا منتظر نہ ہو تو ایسا شخص باقی کہلاتا ہے۔"

"مرید کو چاہئے کہ وہ بھی اللہ کی خاطر صوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہما کے راستے پر نکلے۔ اگر وہ زندگی میں صوفیاء کرام رحمتہ اللہ علیہما کی آخری منزل تک پہنچ جائے تو سمجھ لو

Marfat.com

کہ اس نے قوم کے ساتھ رہ کر منزل مقصود پالی اور اگر انجام تک پہنچنے سے پہلے اسے موت آگئی تو اس کے ثواب کا ذمہ اللہ پر ہے۔ لہٰذا جس کا آغاز مستحکم ہے' اس کا انجام بھی مکمل ہو گا۔"

"جب مرید صدق و اخلاص اختیار کرے تو وہ روحانیت کا مرد میدان ہے۔ اس کے صدق و اخلاص کی تحقیق اس بات سے ہو سکتی ہے کہ آیا وہ شریعت کا پابند ہے یا نہیں اور کیا اس نے مخلوق سے قطع تعلق کر لیا ہے یا نہیں۔ مبتدی مریدوں پر جو آفات و مشکلات نازل ہوتی ہیں' اس کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ ان کی نگاہیں مخلوق کی طرف لگی رہتی ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک عام لوگ اس کے نزدیک بکری کی مینگنوں کی طرح نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد جب وہ اپنے نفس کی طرف رجوع کرے تو اسے کمترین سے کمتر سمجھے۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مخلوق سے قطع تعلق کیا جائے اور ان کی عادتوں کی پابندی ترک کر دی جائے۔"

"جو کوئی قول و فعل میں حد ضرورت میں نہ رہے' وہ کھانے پینے اور سونے میں بھی ضرورت کی حد کے اندر نہیں رہ سکتا۔ جب کوئی حد ضرورت سے آگے بڑھ جائے تو اس کے قلب کے عزائم متزلزل ہو کر بتدریج فنا ہو جاتے ہیں۔"

"یہ ذہن نشین رہے کہ ایک منتہی سالک اپنی اعلیٰ روحانیت کے باوجود ضبط نفس' نفس کشی' زیادہ روزے رکھنا' شب بیداری اور دوسرے مجاہدات سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اس معاملے میں ایک جماعت کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ منتہی سالک کو مزید عبادات اور نوافل کی ضرورت نہیں۔ اس طرح اگر وہ دنیاوی لذت کوشی میں مشغول رہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

Marfat.com

مگر یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اس طرز عمل سے نہ صرف عارف کی معرفت پر پردہ پڑ جاتا ہے بلکہ اس کی ترقیء درجات رک جاتی ہے۔ (اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ) جب ایک جماعت نے یہ مشاہدہ کیا کہ دنیاوی چیزوں سے ان میں سنگدلی نہیں پیدا ہوتی اور وہ چیزیں موجب حجاب نہیں ہیں تو وہ اس کی طرف مائل ہو گئے اور اس معاملے میں اس قدر بڑھ گئے کہ صرف فرائض ادا کرنے پر قانع ہو گئے بلکہ کھانے پینے میں بھی وسعت پیدا کرنے لگے۔"

"جب کوئی تصوّف کے آخری مرحلے پر پہنچ جائے تو وہ اَخذ اور ترک کا پابند نہیں ہوتا بلکہ کبھی اللہ کے حکم کے مطابق کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی اس کی مرضی کے ماتحت کسی چیز کو اختیار کرتا ہے۔ یہ سب کچھ خدا کے اختیار کے مطابق ہوتا ہے' اسی طرح وہ نفلی نماز اور روزے کسی وقت ادا کرتا ہے اور کسی وقت ادا نہیں کرتا۔ دونوں حالتوں میں اس کا طرز عمل صحیح ہے اور یہی رُوحانیت کی آخری منزل ہے۔"

بحوالہ :-

نفحات الانس۔ عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ' مطبع نول کشور۔ کانپور ۱۸۸۵ء
فوائد الفواد۔ امیر حسن علاء سنجری۔ اردو ترجمہ محکمہ اوقاف پنجاب۔ لاہور
تذکرہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی از مولانا نورُ احمد فریدی' قصر الادب۔ ملتان

Marfat.com

طریقۂ سہروردیہ

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے حکمرانوں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے بغداد میں خانقاہِ سہروردیہ کی آمدنی خاصی تھی جو سب کی سب غرباء و مساکین اور طلاب و مریدین پر صَرف کی جاتی تھی۔ حضرت بہاؤ الدین ذکریا رحمتہ اللہ علیہ ملتان میں ان کے خلیفہ بن کر آئے تو ان کے بھی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ چنانچہ ان کی خانقاہ میں غلے کے ذخائر ہمیشہ پر رہتے تھے اور ضرورت کے وقت اس سے لوگوں کی امداد کی جاتی تھی حتیٰ کہ بادشاہ کی درخواست پر عوام میں غلہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سہروردی طریقہ کے صوفی معاشی لحاظ سے مرفہ الحال رہے لیکن دوسری طرف اس طریقہ کے پیرو اذکار و وظائف میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''سہروردی طریقے کے بزرگوں کی نسبت نُورِ طہارت اور نُورِ سکینہ کی تھی اور ان کی اِس نسبت کے ساتھ نسبتِ یادداشت بھی شامل تھی۔''

نسبتِ سکینہ کے تین شعبے ''حلاوتِ مناجات' شمولِ رحمت اور انوار اسمائے الٰہی ہیں۔''

چنانچہ ان لوگوں کے معمولات میں طویل سجدوں' دعا و استغفار اور ذکر و اذکار کی کثرت شامل ہوتی ہے۔ بقول شاہ صاحب موصوف رحمتہ اللہ علیہ مشائخ سہروردیہ نسبتِ یادداشت کی بناء پر کم ہمتوں کی ہمّت بندھانے' امراض کو دور کرنے اور دیگر تصرفات کی توفیق رکھتے ہیں اور کشف و اشراق کے ذریعے دوسروں کے دلوں کے احوال بھی جان لیتے ہیں۔

سیّد اِدریس شاہ طریقہ سہروردیہ پر اپنے تبصرے میں کہتے ہیں کہ ''مشاہدۂ حق کے لئے ان کے اعمال مختلف ہیں جن کے احاطہ میں وَجد آور کیفیات سے لے کر مکمل خاموش ذکر تک سب شامل ہیں۔''

Marfat.com

شجرۂ طریقہء سُہروردیہ

حضرت مُحمّد مُصطفیٰ ﷺ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ'

حضرت حُسن بصری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت جُنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت احمد دینوری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ محمدؒ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ محمدّ بن شیخ عبدُاللہ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت عبدالقاہر سُہروَردی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابُو نجیب سُہروَردی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ شہاب الدّین عمُر بن مُحمّد سُہروَردی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

شمع جمال

حضرت شیخ ابو الحسن

المغربی الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ شاذلیہ شجرۂ طریقت

Marfat.com

Marfat.com

شیخ الطائفہ

شیخ ابوالحسن المغربی الشاذلی رحمتہ اللہ علیہ

تاریخِ اسلام کے اکثر ادوار میں فقہا و صوفیاء کی آویزش کا ذکر ملتا ہے۔ اگر دونوں گروہوں کو اپنے اپنے حلقوں میں محدود کر کے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ فقہاء' ظواہر شریعت کی تعلیم دیتے تھے اور انہی کے مطابق فیصلے صادر فرماتے تھے۔ جبکہ صوفیاء باطنی تزکیہ کو اولیت دیتے تھے اور قلبی واردات و تجلیات اور مواجید و کیفیات کے ذکر سے اپنے اور دوسروں کے ایمان کو پختہ کرتے تھے۔ فقہاء کو اکثر ان کی باتوں پر شک گزرتا تھا اور وہ انہیں دین میں رخنہ ڈالنے والی باتیں سمجھ کر مخالفت کرتے تھے۔ حسن ظن سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے نیت دونوں طبقوں کی نیک تھی مگر اپنے اپنے شعبے میں عمیق شغف یا شدید غلو کی بناء پر جب ایک دوسرے کے قریب نہ آ سکتے تھے تو کشمکش اور مخالفت کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کی کتب جلا دینے کے فتوے بھی صادر ہوتے رہے۔

چھٹی صدی ہجری کی بات ہے کہ مغرب کے مالکی علماء کے فتوے پر امام غزالی کی کتابیں جلائی گئیں اور علوم تصوف کی اشاعت اور صوفیاء کی سرگرمیوں کی شدومد سے مخالفت کی گئی۔ لیکن اس کے باوجود صوفیاء' اپنے مسلک پر قائم رہے۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ علماء کے ایک طبقے کو جب صوفیاء کے اخلاص کا یقین ہو گیا تو انہوں نے مسلک تصوف کی حمایت بھی کی۔ چنانچہ اسی صدی میں بلاد مغرب میں ابومدین رحمتہ اللہ علیہ' سید احمد بدوی رحمتہ اللہ علیہ اور محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ جیسے مشائخ و صوفیاء پیدا ہوئے اور حمایت و مخالفت کی فضاء میں ان کے طرق و افکار نے تصوف کو تقویت دی۔

ساتویں صدی ہجری میں مغرب میں مقام ارشاد پر فائز مشائخ کبار کے حلقے میں

Marfat.com

شاید سب سے زیادہ با اثر صُوفی شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ تھے' جن کی عظیم روحانی شخصیت کے زیر اثر دینی حلقوں میں تصوف کو بھی فقہ کے برابر درجہ ملا۔

بلادِ مغرب میں بڑے بڑے صوفیاء ہوئے ہیں' لیکن دور ہونے کی وجہ سے عرب دنیا سے باہر زیادہ شہرت نہیں حاصل کر سکے۔ لیکن ان میں شیخ الاکبر محیّ الدّین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے بعد شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ ہی وہ بزرگ تَر ہستی ہیں' جن کا اثر مشرق وسطیٰ کے علاوہ برصغیرپاک و ہند بلکہ تمام عالم اسلام نے اس حد تک قبول کیا کہ ان کی الہامی دعا "حِزبُ البحرُ" ہر سلسلے کے صوفیاء نے اپنے اوراد میں شامل کر لی اور انہی کے سلسلہ (شاذلیہ) کے ایک بزرگ امام محمّد بن سلیمان الجزولی رحمتہ اللہ علیہ کا مرتب کردہ درود شریف کا مجموعہ "دلائل الخیرات" بہت زیادہ مقبول ہوا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کا نام علی بن عبداللہ ہے اور حسب و نسب کے لحاظ سے سادات حسینی سے تعلق رکھتے ہیں۔ نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ان کے حالات قلم بند کرتے ہوئے ان تمہیدی جملوں سے ابتداء کی ہے۔ "نامِ وے عَلی بن عبدُاللہ ست۔ شریف است حُسینی۔ ساکن اسکندریہ بُودہ است و جمع کثیر آنجا بصحبتِ وے پیوستہ اَند۔ از کبائرِ اولیاء اللہ و عظماء مشائخ است۔"(۱)

آپ مغرب اقصیٰ کے ایک گاؤں غمارہ میں ۵۹۳ھ/۱۱۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ جب سلوک کی دنیا میں قدم رکھا تو سب سے پہلے مغرب کے مشہور صوفی ابومدین رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد ابو عبداللہ بن حرازم (رحمتہ اللہ علیہما) سے خرقہ حاصل کیا لیکن اس سے پہلے آپ نے اپنی ظاہری تعلیم مکمل کر لی تھی' جیسا کہ علامہ شعرانی نے لکھا ہے۔ "ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ جب تک علوم ظاہری کے مناظرے کے لئے مستعد نہ ہوئے' اس گروہ کی راہ میں داخل نہ ہوئے۔" ۶۱۵ھ میں مشرق کا سفر اختیار کیا اور رفاعی طریقے کے شیخ ابوالفتح واسطی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی' تقریباً" تین سال وہاں رہے' مگر انہی دنوں آپ کو شوق پیدا ہوا کہ قطبُ العالمؔ و الزّماں سے ملیں۔(۲) شیخ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مغرب کی طرف مراجعت کا مشورہ دیا۔

Marfat.com

چنانچہ جب آپ لوٹے تو آپ کی ملاقات مراکش کے شہر فارس میں شیخ عبدالسلام بن مشیش رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی' جو وقت کے قطب تھے' پھر انہی کی زیر نگرانی آپ نے ولایت کے مراتب طے کئے۔ شیخ عبدالسلام ہی نے ہدایت کی کہ افریقہ کے ایک گاؤں شاذلہ کے نزدیک غار میں کچھ مدت تک معتکف رہیں' چنانچہ اسی کی نسبت سے آپ شاذلی کے لقب سے معروف ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے' ان دنوں آپ مجاہدہ کی خاطر ریاضاتِ شاقہ میں سے گذرے۔ آپ کے ملفوظات میں سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک بار اسی (۸۰) دن آپ بھوکے رہے۔ دل میں خیال آیا کہ اس سے مقصود حاصل ہو گیا۔ ناگاہ ایک عورت کو دیکھا جو ایک غار سے باہر نکلی۔ وہ اس قدر خوب صورت تھی کہ گویا اس کا چہرہ نورِ آفتاب کی طرح تھا۔ کہنے لگی : "ایک مجوسی اسّی دن بھوکا رہا اور اپنے عمل پر اللہ کے سامنے ناز کرنے لگا۔ مجھ پر چھ ماہ گذر گئے ہیں کہ میں نے طعام چکھا تک نہیں۔"

اسی دوران میں آپ کو ایسے مشاہداتِ روحانی سے بھی نوازا گیا جن سے آپ کی رہنمائی ہوتی رہی۔ خود انہی سے مروی ہے کہ میں غار میں تھا' میں نے کہا "الٰہی' تیرا بندۂ شاکر کیسے بنوں؟" میں نے سُنا کہ مجھے کہا جا رہا ہے "جب اپنے علاوہ کسی کو منعم علیہ نہیں دیکھو گے"۔ میں نے کہا "الٰہی میں اپنے علاوہ منعم علیہ کیسے نہ دیکھوں' حالانکہ تو نے انبیاء پر انعام کیا ہے' علماء پر انعام کیا ہے اور بادشاہوں پر انعام کیا ہے۔" میں نے سنا کہ کہا گیا "اگر انبیاء نہ ہوتے تو سیدھی راہ تجھے نہ ملتی' اگر علماء نہ ہوتے تو کس کی پیروی کرتا؟ اور اگر بادشاہ نہ ہوتے تو امن میں نہ رہتا۔ یہ سب نعمتیں ہیں جو تجھے میں نے دی ہیں۔"

اسی طرح انہوں نے بیان کیا کہ ایک دوست کے ساتھ غار میں وصول الی اللہ کی توقع میں رہتے تھے' آپس میں کہنے لگے کہ کل ہمارے لئے فتح کی راہ کھل جائے گی۔ اچانک ایک بارُعب شخص سامنے آ گیا' پوچھا : "تو کون ہے؟" اس نے کہا : "عبدالملک"۔ کہتے ہیں میں جان گیا کہ یہ اولیاء اللہ میں سے ہے۔ میں نے کہا : "کیا حال ہے؟" کہنے لگا : "اس شخص کا حال کیا ہو گا جو کہتا ہے کہ کل راستہ کھل جائے

Marfat.com

گا۔ یہ نہ ولایت ہے نہ کامیابی' اے نفس! کیوں خدا کی خدا کے لئے ہی پرستش نہیں کرتا۔" ہم جان گئے کہ اس شخص کو ہمارے لئے تنبیہہ کی خاطر ہی بھیجا گیا ہے' پس توبہ کی' استغفار کیا اور پھر واقعی راہ کھل گئی۔(۳)

وقتاً" فوقتاً" آپ وعظ یا تعلیم و تبلیغ کی خاطر بلاد مغرب میں دورے کرنے لگے۔ آپ کی مجلسوں میں چونکہ تصوف کے نکات کا بیان ہوتا تھا' اور آپ سلوک کی تعلیم بھی دیتے تھے اس لئے تیونس کے علماء نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ اس مخالفت نے اس حد تک شدت اختیار کر لی کہ سلطان ابو ذکریا حفصی کی حمایت کے باوجود آپ کو مصر میں پناہ لینا پڑی۔ یہاں آپ اسکندریہ میں قیام پذیر ہوئے اور نہ صرف یہاں کے عوام میں آپ نے مقبولیت حاصل کر لی بلکہ علماء بھی آپ کی تعظیم کرنے لگے۔(۴)

اسکندریہ سے آپ ہر سال اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ حج پر جایا کرتے تھے۔ یہیں سے ایک بار ایسا ہوا کہ آپ وقت پر روانہ نہ ہو سکے اور کچھ دنوں کے بعد جب حج کے لئے جہاز پر چلے تو باد مخالف کی وجہ سے قاہرہ کے آس پاس ہی جہاز رکا رہا۔ اس پریشانی کے عالم میں دعا حزب البحر آپ کو الہام ہوئی۔ آپ نے پڑھنا شروع کی تو معاً" باد موافق چلی' جہاز روانہ ہو گیا اور عین وقت پر آپ اور آپ کے ہمراہی مناسک حج میں شریک ہو گئے۔ یہ آپ کی ایسی کرامت تھی کہ جہاز کا عیسائی مالک اور اس کے لڑکے سب مسلمان ہو گئے۔

آپ اس قدر کثرت سے تبلیغی و تدریسی دوروں پر رہتے تھے کہ تذکروں میں آپ کو "فقیر سائح" کہا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار کسی جنگل میں سے گزرتے ہوئے آپ پر قہوہ کی تاثیر منکشف ہوئی اور اس کے بعد انہی سے اس کا رواج چلا۔(۵)

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ نے نہ کوئی کتاب تصنیف کی' نہ شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح آپ کسی مدرسہء فکر کے بانی تھے۔ آپ کے خلیفہء اعظم احمد ابوالعباس مرسی رحمتہ اللہ علیہ جب کہتے تھے : "میری کتابیں میرے اصحاب ہیں" تو وہ اپنے مرشد ہی کی روایت کے مطابق عمل پیرا تھے۔ اپنے

Marfat.com

زمانے میں مُرشد کی حیثیت سے آپ نے بے شمار لوگوں کے دلوں میں اللہ کے لئے محبت کا جذبہ پیدا کیا اور قرب خداوندی کے طریقوں سے انہیں آگاہ کیا۔ ان کے بارے میں ایک صوفی بزرگ کی رائے تھی کہ :"اور لوگ تو اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف بلاتے ہیں اور ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کو اللہ کے پاس داخل کر دیتے ہیں۔"

آپ کے پاس جو عقیدت مند آتے تھے' آپ نے بعض دیگر مشائخ کی طرح ان کو کبھی اپنے طریقے کا پابند بھی نہ بنایا۔ طلبِ حقّ کی استعداد میں وسعت و اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں آزاد رکھا کہ اگر ذوقِ طلب زیادہ ہو تو جہاں سے چاہیں' فیض حاصل کریں۔ اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ تم میری صحبت میں رہو اور میں تمہیں کسی اور کی صحبت میں رہنے سے منع نہیں کرتا اور اگر تم کو اس سے زیادہ شیریں اور خوش گوار کوئی چشمہ مل جائے تو اسی پر اتر پڑو۔

اسی طرح شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے اوّلین خلفاء نے خرقہ یا گدڑی پہننے کا تقلید نہ کیا' بلکہ اس کو فقیر کا ادعا جانتے ہوئے ایک لحاظ سے معیوب خیال کیا۔ اس کی بجائے آپ اخلاص نیت' تزکیہء نفس اور متابعت سنت پر زور دیتے تھے۔

تربیت روحانی میں تکمیل کا ایک وہ درجہ بھی آتا ہے جب ولی اس مقام پر متمکن ہو جاتا ہے جو اس کی ہمت و استعداد کے لئے مخصوص تھا۔ اس وقت وہ خود اپنے طریقے کا بانی ہوتا ہے۔ اصطلاحات علوم صوفیاء میں ایسے بلند ہمت افراد کے لئے مختلف القاب معروف ہیں۔ مثلاً قلندر' قطب طریقت' قطب وحدت' فرد اور ولی' خواص الاخص وغیرہ۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کو یہ مرتبہ حاصل تھا کہ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے پیر کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ پہلے میں اپنے آپ کو شیخ عبدالسلام ابن مشیش رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا کرتا تھا۔ مگر اب کسی کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ دس دریاؤں میں تیرا کرتا ہوں : محمدﷺ' ابوبکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علیؓ' جبریلؑ' میکائیلؑ' عزرائیلؑ' اسرافیلؑ

Marfat.com

(علیہما السلام) اور رُوحِ اکبر۔

۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں آپ سفرِ حج سے واپس آ رہے تھے کہ بحرِ احمر کے ساحل کے قریب صحرائے عنداب میں حمیثرہ کے مقام پر انتقال فرمایا اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کے خلفاء نے آپ کی تعلیمات کی اشاعت کا کام جاری رکھا۔ آپ کے تربیت یافتہ گروہ میں احمد ابوالعباس مرسی رحمتہ اللہ علیہ کو بلند مقام حاصل ہے جو اپنے شیخ کے زاویئے میں بیٹھ کر طالبانِ حق کی رہنمائی کرتے رہے۔ ان کے ایک شاگرد تاج الدین ابن عطاء اللہ عباس نے اپنی کتاب "لطائف المنن فی مناقب ابی العباس و شیخہ ابوالحسن" میں ان دونوں بزرگوں کے حالاتِ زندگی' ان سے منقول اوراد اور ان کے پر حکمت اقوال لکھے۔

یہاں "الطبقات الکبریٰ" (مرتبہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ) کے حوالے سے حضرت ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کے چند اقوال نقل کئے جا رہے ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شریعت و طریقت کے معاملات میں اس نورِ بصیرت کے وارث تھے جو صرف علمائے باعمل کو ملتا ہے۔

فرماتے ہیں:

○ ---- چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے علم کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ دنیا کی محبت' آخرت سے غفلت' افلاس کی دہشت' آدمی کی ہیبت۔

○ ---- دلوں میں علوم اسی طرح ہیں جس طرح روپے پیسے ہاتھوں میں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس سے تم کو نفع پہنچائے اور اگر چاہے تو ضرر پہنچائے۔

○ ---- پیر وہ ہے جو تم کو راحت کی راہ دکھائے نہ کہ وہ جو مصیبت کی۔

○ ---- جو فقیر پنج وقتی نمازوں میں حضور جماعت کا برابر پابند نہ ہو' اس کا اعتبار نہ کرو۔

○ ---- دیکھو' اپنے آپ کو بار بار گناہوں میں پڑنے سے بچاؤ کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہی ظالم ہے اور ظالم امام نہیں ہوتا' اور جس نے

Marfat.com

گناہ ترک کئے' جس ابتلاء میں اللہ تعالیٰ نے اسے مبتلا کیا ہے' اس پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید پر یقین کیا' وہی امام ہے گو اس کے پیرو تھوڑے ہوں۔

○ ـــــ ایک ہی مُرید جس میں تمہارے اسرار کی حفاظت کی صلاحیت ہو' ایسے ہزار مریدوں سے بہتر ہے' جن میں یہ صلاحیت نہ ہو۔

○ ـــــ یہ راہ نہ رہبانیت کی راہ ہے اور نہ جو اور بھوسا کھانے کی' یہ تو اوامر پر صبر اور ہدایت کی نسبت یقین سے طے ہوتی ہے۔

○ ـــــ جب تمہارا کشف کتاب و سنت کا معارض ہو تو کتاب و سنت پر جمے رہو اور کشف کو ترک کر دو اور اپنے نفس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت میں میرے لئے بچنے کی ضمانت فرمائی ہے اور کشف و الہام اور نیز مشاہدہ کی جانب سے اس کی ضمانت نہیں فرمائی ہے' علاوہ بریں اس پر اجماع ہے کہ کشف یا الہام یا مشاہدہ پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے مگر کتاب و سنت سے ملا لینے کے بعد۔(۶)

حوالے

1:- نفحات الانس' مطبوعہ نول کشور' ص ۳۷۱

2:- علومِ صوفیاء میں قطب کا مرتبہ اس صاحب روحانیت شخصیت کے لئے مخصوص ہے جو صالحین و صدیقین امت میں اثر و نفوذ روحانی کے لحاظ سے مرکزی حیثیت رکھتا ہو۔ خواہ وہ کسی پر ظاہر ہو یا نہ ہو۔ دیکھئے کشف المحجوب ترجمہ نکلسن صفحہ ۲۱۴ اور خزینہ معارف ترجمہ الابریز صفحہ ۳۸۴

3:- نفحات الانس صفحہ ۳۷۲۔

4:- دی صُوفی آرڈرز اِن اسلام' از جے۔ ایس۔ ٹرمنگھم

5:- سفینۃ الاولیاء۔ داراشکوہ صفحہ ۲۱۵۔

6:- الطبقات الکبریٰ اردو ترجمہ عبدالغنی وارثی صفحہ ۳۸۹ تا ۴۰۷۔

Marfat.com

طریقۂ شاذلیہ

طریقۂ شاذلیہ کے بارے میں کوئی حتمی رائے اس لئے بہت مشکل ہے کہ شاذلی طریقہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے شاید ہی اب کہیں ہو۔ المغرب میں اس طریقہ کی کئی ذیلی شاخیں ہو گئیں اور ہر شاخ کی خصوصیات گوناگوں ہیں۔

حضرت سیّد ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کو اجازت دی تھی کہ وہ ان کے علاوہ بھی جہاں سے چاہیں، فیض پا سکتے ہیں۔ چنانچہ شاذلی مشائخ ان فیوض کے حصول کے لئے جب اپنے حلقوں سے نکلے تو کئی رنگوں میں رنگے گئے۔ اس لئے اس طریقہ کی نسبتیں ایک طور پر وقوع پذیر نہیں ہوئیں۔

البتہ یہ نظر آتا ہے کہ دیگر مغربی صوفیاء کی طرح شاذلی طریقہ کے صوفیاء پر بھی شکر کی صفت غالب رہی اس لئے ان کے قلب میں طمانیت اور نعمت روحانی پر تشکر و امتنان کے جذبات انہیں ریاضت میں شدت سے باز رکھتے ہیں۔

شاذلی طریقہ کی مشہور دعا "حزب البحر" ہے اور درود شریف کا مجموعہ "دلائل الخیرات" جو ایک یورپین محقق کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ ان دو وظیفوں کا فیض مشرق میں رائج تقریباً تمام طریقوں کے صوفیاء کرام تک پہنچا اور ہر طریقے کے لوگ انہیں اہتمام سے پڑھتے آئے ہیں۔

Marfat.com

شجرۂ طریقہ شاذلیہ

حضرت محمدؐ مصطفیٰ ﷺ
حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ
شیخ ابو محمدؐ جانو رحمتہ اللہ علیہ
شیخ سعد الغزوانی رحمتہ اللہ علیہ
شیخ ابو محمدؐ فتح السعودی رحمتہ اللہ علیہ
شیخ سعید رحمتہ اللہ علیہ
شیخ ابوالقاسم محمدؐ درانی رحمتہ اللہ علیہ
شیخ ابواسحاق ابراہیم البصری رحمتہ اللہ علیہ
شیخ زین الدّین قزدینی رحمتہ اللہ علیہ
شیخ شمس الدّین محمدؐ رحمتہ اللہ علیہ
شیخ تاج الدّین محمدؐ رحمتہ اللہ علیہ
شیخ نورالدّین ابوالحسن علی رحمتہ اللہ علیہ
شیخ فخرالدّین رحمتہ اللہ علیہ
شیخ تقی الدّین رحمتہ اللہ علیہ
سیّد عبدالرّحمٰن مدنی حسنی رحمتہ اللہ علیہ
سیّد عبدالسّلام مشیش رحمتہ اللہ علیہ
سیّد ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ☆

☆ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ (حضرت شاذلی رحمتہ اللہ علیہ) کے پیر کون ہیں تو انہوں

Marfat.com

نے کہا کہ پہلے میں اپنے آپ کو شیخ عبدالسلام بن مشیش رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا کرتا تھا مگر اب کسی کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ دس دریاؤں میں تیرا کرتا ہوں:

محمد ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، جبریل، میکائیل، عزرائیل و اسرائیل (علیہما السلام)، روح اکبر (بحوالہ ترجمہ الطبقات الکبریٰ صفحہ ۳۹۴)

Marfat.com

شمعِ جمال

خواجۂ خواجگان

حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ نقشبندیہ، شجرۂ طریقت

Marfat.com

Marfat.com

خواجہء خواجگان

خواجہ بہاء الدّین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ

تصوّف کے جن مشہور سلسلوں کو برِصغیر پاک و ہند میں فروغ حاصل ہوا' ان میں سے ایک سلسلہء نقشبندیہ ہے۔ اگرچہ یہ سلسلہ سلوک کے دیگر معروف طریقوں یعنی قادریہ' چشتیہ' اور سہروردیہ وغیرہ کے بہت بعد ہندوستان پہنچا' لیکن نہایت قلیل مدت میں اس میں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ مقبولیت حاصل کرلی۔ اس کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ اس سلسلہ کے مشائخ حنفی المذہب تھے اور سنت کی پیروی اور متابعت شریعت پر بہت زور دیتے تھے۔ چنانچہ علمائے احناف نے جو ہندوستان میں لوگوں کے مقتدا تھے' برضا و رغبت اس طریق کو اپنا لیا۔

سب سے پہلے اس سلسلہ کے ایک سمرقندی بزرگ خواجہ باقی باللہ (۱۶۰۳ء) شہنشاہ اکبر کے زمانے میں کابل سے ہندوستان آئے۔ گو ان کی آمد سے کچھ عرصہ پہلے ایک اور بزرگ جن کا نام شیخ بابا بھائیوال کشمیری تھا' کشمیر آ چکے تھے اور حضرت خواجہ باقی باللہ ان سے ملے بھی تھے' مگر اس طریقہ کا فیض ہندوستان میں خواجہ باقی باللہ کے ذریعہ ہی پھیلا اور بقول شیخ محمد اکرام(۱) انہوں نے نہ صرف ہندوستان میں نقشبندی سلسلہ کی مستحکم بنیاد رکھی' بلکہ امراء و اکابر سے اختلاط پیدا کرکے نہایت خاموشی سے درباری بدعتوں کے خلاف متشرع اور دیندار امراء کا محاذ بھی قائم کیا' اور یہ بات بھی ان کے تصرفات جاذبہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ دو تین سال ہی میں ان کا طریقہ بلاواسطہ یا بالواسطہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ آپ کہا کرتے تھے :

"ایں تخمِ پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم وَدر زمینِ برکت آگینِ ہند کشتیم۔"

حقیقت یہ ہے کہ انہیں یہاں ایک ایسا باکمال مُرید اور جانشین ملا جس نے ان کے سلسلہ کو ہندوستان کے طول و عرض میں پہنچا دیا۔ یہ مُرید شیخ احمد سرہندی' مجدّد

Marfat.com

الف ثانی رحمتہ اللہ تھے، جن کے متعلق خواجہ باقی باللہ نے کشف میں دیکھا تھا کہ انہوں نے ایک بڑی مشعل سرہند میں روشن کی ہے اور اس کی روشنی سے مشرق سے لے کر مغرب تک تمام علاقہ منور ہو گیا ہے۔ دم بدم اس کی روشنی تیز ہوتی جاتی ہے، اور لوگ اس سے اپنے اپنے چراغ روشن کرتے ہیں۔

طریقہء نقشبندیہ میں بھی فیض کا منبع خود محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ قدسیہ ہے اور دو واسطوں سے یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے ذریعہ سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ پہلے اس کو سلسلہء خواجگان کہا جاتا تھا مگر آٹھویں صدی ہجری میں سادات بخارا میں سے ایک بزرگ حضرت خواجہ محمد بہاء الدّین بخاری اس سلسلہ کے واسطہء فیض بن گئے اور یہ طریقہ انہی سے منسوب ہوا۔

خواجہ محمد بہاء الدین ۷۱۸ھ میں بخارا کے گردونواح میں واقع ایک مقام قصر ہندواں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمدؐ تھا۔ جیسا کہ صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے: "نام ایشاں محمد بن محمد البخاری است" لیکن بہاء الدین کے نام سے آپ مشہور ہوئے۔ آپ کے والد کا نام جیسا کہ متذکرہ حوالہ سے ظاہر ہے محمد تھا، مگر وہ امیر سید جلال الدین کے نام سے معروف تھے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے اس دور کے مشائخ میں سے ایک باکمال بزرگ خواجہ محمد بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ جب کبھی یہاں سے گزرتے تو کہتے کہ مجھے اس مقام سے ایک مرد کی خوشبو آ رہی ہے جس کی وجہ سے عنقریب یہ قصر ہندواں، قصر عارفاں بن جائے گا۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا کہ قصر ہندواں قصر عارفاں کہلانے لگا۔

تذکرہ نگار آپ کے معروف لقب "نقشبند" کے بارے میں مختلف روایات بیان کرتے ہیں۔ تذکرہ "جواہر علویہ" میں ان کو نقل کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"آپ کے نقشبند کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے آبائے کرام میں سے کوئی قالین بنا کرتا تھا اور اس میں نقش بنایا کرتا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ سماسی نے آپ کی تربیت سید امیر کلال کے سپرد کی تو فرمایا، "بہاء الدین کا نقش باندھ"۔ اس واسطے آپ نقشبند کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعض

Marfat.com

کہتے ہیں کہ چونکہ طالبوں کو آپ اِسمِ اللہ کا تصوّرِ صنوبری دل پر تلقین فرماتے تھے' اس سبب سے نقشبند کے نام سے مشہور ہوئے اور نیز اس واسطے کہ آپ طالب کے دل سے تھوڑی توجہ سے غیر کا نقش مٹا دیتے تھے' اس لئے بھی آپ اس نام سے موسوم ہوئے"۔(۲)

آپ کی پیدائش کے دو تین دن بعد خواجہ بابا محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپ کے والد نے آپ کو ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر مقتدائے روزگار ہو گا۔ ان کے خلیفہ سید امیر کلال ان کے ساتھ تھے۔ ان کی تربیت کے لئے سید موصوف کو تاکید کی۔ چنانچہ آپ نے سید امیر کلال کی زیرِ نگرانی روحانی تربیت حاصل کی' لیکن آپ کی استعداد اس سے بڑھ کر تھی۔ بالآخر وہ وقت بھی آگیا کہ سید موصوف نے آپ کو اجازت فرمائی کہ مزید جہاں سے چاہو' فیض پانے کی کوشش کرو۔

اس زمانہ کے کئی صاحب حال درویشوں سے آپ کی ملاقات ہوئی اور ان کی باطنی توجہ کام آئی۔ بعض کے ساتھ کئی سال آپ کی صحبت رہی۔ ایک ترک درویش خلیل اتا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آپ چھ سال رہے۔ یہ درویش ایک زمانہ میں ماوراء النہر کا حاکم بن گیا۔ تب بھی آپ اس کے ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ پھر حکومت اس سے چھن گئی۔ اس درویش کی صحبت میں آپ کو بہت فائدے حاصل ہوئے۔ آپ فرماتے تھے : "..... ودراوقاتِ ملازمت نیز چیز ہائے بزرگ ازو مشاہدہ می اُفتاد و بامن شفقت بسیار می کرد۔ گاہے بلطف و گاہے بعنف را آدابِ خدمت درمی آموخت و ازاں جہت فوائد بسیار بمن رسید و مقامِ سیروسلوک دریں راہ قوی بکار آمد..... می گفت ہرکہ از جہت رضائے خدا تعالیٰ مرا خدمت کُند' درمیان خلق بزرگ شود و مرا معلوم می شُد کہ مقصودِ اُوکیست۔"(۳)

اسی طرح اور بہت سے درویشوں کے ساتھ آپ کا تعلق رہا اور بعض سے مختصر ملاقاتوں کے دوران میں ہی طریقت کے کئی رموز و نکات آپ پر واضح ہو گئے۔

بزرگوں کی ارواح کے ساتھ بھی آپ کا روحانی رابطہ رہا۔ خاص طور پر دو

Marfat.com

صدی پیشتر کے اسی سلسلہ (سلسلہء خواجگان) کے ایک بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کی نسبت بہت قوی ہو گئی اور آپ نے براہ راست ان سے فیض پایا۔(۴)

اپنے روحانی سفر میں مختلف مدارج سے گزرے۔ حتیٰ کہ وہ مقام بھی آ گیا کہ روحانی طور پر بارگاہِ محمدّی میں جا پہنچے اور عِجز و نیاز کا سر آنحضرت ﷺ کی عزّت و احترام کے آستان پر رکھا۔ جہاں آپ ولایت کے مقام پر سرفراز ہوئے۔

اولیائے عِظام کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ جب انہیں ولایت کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے تو یا تو فرشتہ آکر انہیں خبر دیتا ہے اور یا پھر کسی اور ذریعہ سے انہیں اس اعزاز سے باخبر کیا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے ساتھ بھی یہ کیفیت گذری۔ کہتے ہیں : "زمانے کے قطب الاقطاب اور روئے زمین کے اوتادوں کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے مجھے سفید نمدے پر بٹھایا اور پھر اس کے کونے پکڑ کر ایک بڑے تخت پر بٹھا دیا۔ اور بے شک اس کے بعد مجھے کوئی غم لاحق نہ ہوا۔" (اَلَا اِنَّ اَولیاء اللہ لَا خَوفٌ عَلَیھِم وَ لَا ھُم یَحزَنُونَ)

اس کے بعد آپ نے اپنے طریق کے مطابق رُشدوہدایت کا کام شروع کیا۔ تُرکستان اور اس کے آس پاس کے علاقوں اور شہروں بُخارا، سَمرقَند، تا نکن، غدیوت، کرمینہ اور ہرات سے درویش آپ کے گرد جمع ہونے لگے اور آپ بڑی فیاضی سے وہ دولت لوگوں میں لُٹانے لگے جس سے آپ کا سینہ بھرپور کر دیا گیا تھا۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں : "مقامِ احسان کی تجدید کے لئے شیخ بہاء الدین نقشبند ترکوں کی سرزمین پر مقرر کئے گئے اور ترکوں کا بہیمی پہلو بہت زوروں پر تھا۔ حضرت خواجہ مجذوب تھے۔ ان کی فطرت کے ملکی پہلو نے الٰہی انوار کو قبول کر لیا اور نورِ الٰہی کی تدلی ان پر ہوئی۔ اسی وجہ سے ان کی شخصی نسبت اور جن لوگوں کی تربیت ان سے متعلق تھی۔ دونوں کے اجتماعی اقتضا نے حد سے زیادہ فائدہ بخش طریقہ کو پیدا کیا۔"(۵)

آپ کا طریق بہت سہل تھا اور زیادہ تر توجہ باطنی سے لوگوں کے قلوب کی دنیا

Marfat.com

بدل دیتے تھے۔ ایک عقیدت مند کے قول کے مطابق آپ شریعت اور سُنّتِ رسول ﷺ کی پیروی پر بہت زور دیتے تھے۔ ایک بار بخارا کے بازار میں آپ نے ایک درویش کو مغلوب الحال ہو کر اونچی اونچی باتیں کرتے سنا' جو کہہ رہا تھا: "درویش ایسا ہونا چاہئے کہ اگر کوئی مچھر بغداد میں کسی پتلے سے درخت کی شاخ پر بیٹھا ہو' تو وہ اس مچھر کو یہاں سے دیکھ سکے۔" آپ نے اسے ڈانٹا اور کہا: "یہ بات تیرے کس کام آئے گی۔ تجھے دین اور مسلمانوں کا غم کھانا چاہئے اور شریعتِ نبوی کی راہ پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔ ان باتوں سے وہ کام بن نہیں آتا۔"

آپ سے لوگ طریقت کے متعلق سوالات پوچھتے اور اور آپ ان کو جواب دیتے۔ ولی اور اس کی ولایت کے بارے میں ایک بار فرمایا کہ: "ولایت ایک نعمت ہے۔ ولی کو لازم ہے کہ وہ جانے کہ وہ ولی ہے تاکہ وہ اس نعمت کا شکریہ ادا کرے۔ ولی عنایت الٰہی کی حفاظت میں ہوتا ہے اور اللہ اسے آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔ خوارق عادات اور احوال اور کرامات پر کوئی اعتماد نہیں ہو سکتا بلکہ کام کی بات اقوال و افعال پر قائم رہنا ہے۔"

روحانی تربیت کے طالبوں کو خواجہ سیّد بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ' اکلِ حلال کی بہت تاکید کرتے تھے۔ ایک موقع پر فرمایا: "نیک اعمال اور عمدہ افعال کے ظاہر ہونے کی بناء حلال طعام پر ہے' جو پورے طور پر واقفیت حاصل کر کے کھایا جائے اور ہر وقت کی حضوری' خصوصاً" نماز کے وقت' حلال طعام سے حاصل ہوتی ہے۔" خود اس قدر احتیاط برتتے تھے کہ جب کبھی کسی نے کراہت یا بے ادبی کے ساتھ کوئی چیز پیش کی' ان کی روحانی حس نے فوراً" اس سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ ایسی کوئی چیز ہرگز قبول نہیں کرتے تھے جس کا دینے والا پورا مخلص نہ ہو۔

ایک بار ملک حسین والیء ہرات نے علماء و مشائخ کی دعوت کی' خواجہ صاحب کو بھی وہاں جانا پڑا۔ دسترخوان بچھایا گیا' تو ملک حسین نے کہا' کھاؤ۔ یہ حلال ہے کیونکہ مجھے یہ مال اپنے والد سے ورثہ میں ملا ہے۔ مگر خواجہ صاحب نے کھانے کے لئے ہاتھ نہ بڑھایا۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے کہا' کہ اگرچہ یہ طعام حلال ہے لیکن ہرات

Marfat.com

میں ایسے لوگ کثرت سے ہیں جو اس کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہ ان کو دینا چاہیے۔

ایک بار پھر ایسا ہی ہوا۔ ملک حسین کے دسترخوان پر بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ حاضرین کھانا کھانے میں مشغول ہوئے لیکن خواجہ صاحب نے کچھ نہ کھایا۔ شکار کا گوشت لایا گیا۔ پھر بھی آپ نے نہ کھایا۔ علماء نے عرض کیا: "یہ مشکوک تو نہیں ہے' آپ کیوں نہیں کھاتے؟" فرمایا: "مجھے بادشاہ کے دسترخوان پر نہیں کھانا چاہیے۔ میں ایک جماعت کا معتقد ہوں اور انہی میں سے یہ ایک درویش ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس قسم کا کھانا کھاتا ہوں۔" اس پر سب چپ ہو گئے۔

اس موقعہ پر آپ نے معرفت کی بعض باتیں بھی بیان کیں۔ جب دسترخوان اٹھا لیا گیا' تو بادشاہ نے آپ سے پوچھا۔ کیا درویشی آپ کا موروث ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں' بلکہ **جَذْبَۃٌ مِّنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ' یُوَازِی عَمَلِ الثَّقَلَیْنِ** (ایک جذبہ اللہ کے جذبوں سے ایسا ہوتا ہے کہ دونوں جہاں کے عمل کے برابر ہوتا ہے) کے مطابق ایک جذبہ پہنچا اور میں اس سعادت سے مشرف ہوا۔ پھر بادشاہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ کا طریقہ کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا' خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ کے خانوادہ کی یہ بات ہے کہ "خلوت در انجمن' ہوا کرتی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا' خلوت در انجمن کیا ہوتی ہے' فرمایا اس کا یہ مطلب ہے کہ ظاہر میں خلقت کے ساتھ رہو اور باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ۔ بادشاہ نے کہا۔ کیا یہ بات حاصل ہو سکتی ہے؟ خواجہ صاحب نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے: **لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔** (ایسے آدمی بھی ہیں کہ جن کو تجارت اور لین دین یاد الٰہی سے نہیں روک سکتی)

آپ ہرات میں شیخ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جس روز یہ باتیں ہوئیں اسی شام کو ملک حسین نے اپنے خدام کے ذریعے طرح طرح کے ہدیئے بھجوائے' لیکن آپ نے قبول نہ فرمائے' اور کہا جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مہربانی کی ہے کسی شخص نے درویشی کے میدان میں میری پیٹھ نہیں لگائی۔ بادشاہ سے کہہ دو کہ آئندہ اس قسم کے خیالات دل میں نہ لائے۔ اسی روز محل کی

Marfat.com

ایک شہزادی نے بھی کچھ قیمتی کپڑے بھجوائے لیکن آپ نے اُن کو قبول نہ کیا۔

مرتے دم تک آپ نے رُشد و ہدایت کا کام جاری رکھا اور نہایت سادگی سے زندگی بسر کی۔ قصرِ عارفاں میں ایک باغ تھا جس میں معمولی سی کاشتکاری کر کے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے معاش کا سامان مہیا کرتے تھے۔ آپ کے مکان میں جاڑے کے موسم میں مسجد کے تنکے ہوتے تھے اور گرمی کے موسم میں پرانا بوریا' متوسط الحال لوگوں کا سالباس زیب تن ہوتا تھا۔

آپ کی کرامات بے شمار ہیں' مگر سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے بے شمار لوگوں کو حق شناسی کے اعلیٰ پایہ تک پہنچا دیا۔

خواجہ بہاء الدّین نے بہتّر سال کی عمر میں ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو انتقال کیا اور بخارا میں مدفون ہوئے۔ آخری ایام میں درویشوں کی ایک مجلس میں آپ نے فرمایا تھا: "ہمارے جنازے کے آگے یہ شعر پڑھنا:"

مُفلسا نیم آمدہ در کُوئے تو شیئاً لِلّٰہ از جمال رُوئے تو

آپ کے خلیفہ خواجہ علاء الدّین عطار رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد پر صالح بن مبارک البخاری رحمتہ اللہ علیہ نے مختلف درویشوں سے سن کر بعد از تحقیق آپ کے حالات جمع کئے اور اپنی کتاب "عدۃ السّالکین" میں انہیں بیان کیا۔ اس کتاب میں خواجہ بہاء الدّین کے بعض اقوال جو رموزِ معرفت کے حامل ہیں مختلف مقامات پر درج کئے گئے ہیں۔

ایک بار فرمایا: "اوائل حال میں ہم نے اپنے آپ کو مطلوب بنایا اور دوسروں کو طالب۔ لیکن اب ہم نے یہ طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ اصلی مرشد وہی (اللہ) ہے اور جس شخص کو اس راہ کی طلب کی خواہش ہوتی ہے' اسے ہمارے پاس بھیج دیتا ہے اور جو کچھ اس کا نصیب ہوتا ہے اسے پہنچ جاتا ہے۔"

فرماتے تھے: "ذِکر کی تلقین کامل اور مکمل پیر سے ہونی چاہئے تاکہ اس کا اثر ہو اور نتیجہ اس سے ظاہر ہو۔ بادشاہ کے ترکش سے تیر لینا چاہئے کہ حمایت بھی ہو سکے۔"

Marfat.com

اکثر فرمایا کرتے : "اس گروہ (درویشوں) سے وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے' جو ان کے احوال اور اوقات کو پہچانتا ہو۔ ان کی صحبت سے کبھی تو عطا نصیب ہوتی ہے اور کبھی بلا۔"

ایک موقع پر فرمایا: "مشائخ خود کسی پر حملہ نہیں کرتے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ مشائخ ننگی تلوار ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ لوگ خود اپنے تئیں اس تلوار پر پھینکتے ہیں۔"

فرماتے تھے: "جو کچھ ہم سے خلقت کے خواطر اور اعمال اور احوال کی بابت ظاہر ہو جاتا ہے اس میں ہمارا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔"

فرماتے تھے: "درویش کو چاہئے کہ جو کچھ کہے حال سے کہے۔"

ایک درویش سے کہا: "یہ حال جو اس وقت تجھ میں ہے ہماری توجہ کے سبب سے ہے اور ہم اس کے مالک ہیں۔ چاہیں تو لے لیں' چاہے تیرے پاس رہنے دیں...... لیکن جو حال متابعت اور سلوک سے پیدا ہو اس پر کوئی قابض نہیں ہوتا۔"

علماء کے ایک مجمع میں فرمایا: "ہمارا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہم سنّتِ نبوی کی پیروی کریں اور حق کو باطل سے ممیّز کریں اور آپ زمانے کے مقتداء ہیں۔ آپ سے کتاب کا حکم پوچھنا چاہئے اور رسول اللہ ﷺ کے اخبار اور صحابہ کرام کے آثار آپ سے دریافت کرنے چاہئیں"۔...... جس موقع پر ہمیں کوئی مشکل پیش آتی ہے ہم علمائے کرام سے رجوع کرتے ہیں۔ ان سے سوال کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

فرمایا: "محض کسی سلسلہ میں منسلک ہو جانے سے کوئی شخص مرتبہ پر نہیں پہنچ جاتا۔ اس کے لئے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بنیادی شرط ہے۔

حوالے

1:- رود کوثر' شیخ محمد اکرام صفحہ ۱۸۸

2:- جواہر علویہ' محمد رؤف احمد نقشبندی اردو ترجمہ ٦٧

3:- نفحات الانس

4:- آٹھ اصول سلوک حضرت خواجہ عبدالخالق رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہیں۔ طریقت پر نوٹ میں ملاحظہ کیجئے۔

5:- تفہیمات از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ۔

Marfat.com

طَرِیقہء نَقشبَندیہ

طَریقہء نَقشبندیہ کی خصوصیات' اس کا تاریخی پس منظر سامنے رکھے بغیر نہیں سمجھی جا سکتیں۔ یہ طریقہ گو برصغیر ہندوپاک میں بہت بعد میں رائج ہوا مگر تُرکستان و خُراسان میں یہ بہت پہلے سے زیرِ عمل رہا ہے۔ اسے "طریقہء خواجگان" کہا جاتا تھا۔ اس طریقہ میں خواجہ احمد یسوی رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۵۶۲ھ) جیسے بزرگ بھی ہوئے جنہیں سُلطان الطَریقہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۵۷۵ھ) ہمت بلند اور جذب قوی رکھنے والے ہفت خواجگان میں سرفہرست ہیں' جنہوں نے ذکر و فکر کے آٹھ اصول مقرر کئے :

1- ہوش دَردَم : طالبِ حقّ ہردم خُدا کے ذکر میں مشغول رہے۔
2- نَظر بَرقدم : سالک چلتے پھرتے قدم پر نظر رکھے اور اِنتشار نظری و ذہنی سے بچے۔
3- سَفر دَروَطن : اذکار و مراقبات کے ذریعہ باطنی سفر جاری رکھے۔
4- خَلوت دَراَنجمن : ظاہر میں خلق کے ساتھ اور بَباطن حقّ کے ساتھ
5- یَاد کرد : بتکرار ذکرِ الٰہی
6- بَازگشت : ہر ذکر کے بعد اللہ کی طرف رجُوع اور دعا
7- نِگاہ دَاشت : وساوس اور خطرات سے دل کی حفاظت
8- یَاد دَاشت : ہروقت ذاتِ مُقدّس کی طرف دھیان

حضرت خواجہ بہاؤ الدّین نَقشبَند (وفات ۷۹۱ھ) نے وقوفِ زمانی' وقوفِ قلبی اور وقوفِ عددی زیادہ کئے (وقوفِ زمانی ہوش دَر دَم سے ملتا جُلتا قاعدہ ہے۔ وقوفِ قلبی نگاہداشت کی طرح توجہ کی مرکزیت سے عبارت ہے اور وقوفِ عددی ذکر کی تعداد کی رعایت سے عبارت ہے)۔

صُوفیاء نقشبند (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) زیادہ تر ذکرِ نَفی اثبات پر زور اور ذکرِ

Marfat.com

جلی پر ذکرِ خفی کو ترجیح دیتے تھے۔

جب ہندوستان میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس طریقہ کی خلافت سنبھالی تو انہوں نے اذکار و مراقبات کا ایک تفصیلی نظام ترتیب دیا جس کی تکمیل پر کم از کم چھ سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال لگ سکتے تھے۔

اس طریقہ کے مُرشدین نے جَذب اور توجہ کو مقدّم رکھا ہے تاکہ طالبِ حق ان کی مدد سے آسانی کے ساتھ سفرِ باطنی میں آگے بڑھتا چلا جائے۔ "شیخ کی صحبت میں اس کی توجہ اور غیر حاضری میں اس سے رابطہ اس طریقہ میں دو لازمی ذرائع ہیں" جن کے ذریعہ فیض ملتا ہے۔

آج کل اس طریقہ میں بھی مجدّدیہ سلوک کو اسکے بانی کے مُرتّب کردہ نِصاب کے مطابق کوئی بھی طے نہیں کر رہا ہے۔ کیونکہ ایسے مشائخ ہی نہیں رہے جو خود اسکے مطابق تربیت یافتہ ہوں۔ چنانچہ ذکر نفی اثبات اور دیگر آسان ابتدائی مراقبات پر ہی زور دیا جاتا ہے۔

حضرت مجدّد رحمتہ اللہ علیہ کے بعد بھی مشائخ نقشبندیہ مجدّدیہ میں ان کے خلفاء نے بہت علوم و معارف بیان کئے۔ ہندوستان میں شاید آخری بڑے صاحب فیض و توفیق بزرگ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۱۲۴۰ھ) تھے جو حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان کے حالات اور علوم و معارف کے بارے میں ان کے خلیفۂ اعظم شاہ رؤف احمد نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ نے "جواہر علَویہ" تالیف کی جو بجائے خود ایک مکمل تذکرۂ مشائخ طریقہ ہے۔

طریقہء نقشبندیہ میں اِتباعِ شریعت، تقویٰ، زُہد، ذِکر خفی اور اخفائے حال پر زور دیا جاتا ہے۔ اس میں سماع کی گنجائش نہیں رکھی گئی، اس لئے اس طریق کی تاثیر کو افیون کے نشّہ کے مشابہ قرار دیا جاتا ہے کہ نقشبندی مُرید چُپ کے عالم میں رہ کر سلوک کی منازل طے کرتے رہتے ہیں۔

یورپ و امریکہ میں نقشبندی مُرشد سیّد اِدریس شاہ نے لکھا ہے: "چونکہ وہ (مشائخِ نقشبند) کبھی متمیز لباس اختیار نہیں کرتے اور چونکہ اس طریقے کے ارکان

Marfat.com

لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی حرکات جاری نہیں رکھتے' اس لئے دانشور اس طریقے کی تاریخ کی تدوین نہیں کر سکے۔ کچھ یہ بات بھی ہے کہ خواجگان جس کلچر میں عمل پیرا ہوتے ہیں' مکمل طور پر اس کے معاشرتی فریم ورک کے اندر رہ کر کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقِ وُسطیٰ اور سنٹرل ایشیاء میں زیادہ تر زاہد اور پارسا کے طور پر ان کی شہرت رہی"۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی نسبتِ یادداشت کو اہم قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: "خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کی اصل نسبت' نسبتِ یادداشت ہے اور بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ یہ نسبتِ احسان کی نسبت تک پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر خواجہ نقشبند کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے کہ, مسلمانی اور طاعت و انقیاد سرتاپا نُور و صفا ہیں'۔"

ان مشائخ کے اذکار و مراقبات ایسے ہیں کہ ان کے طفیل اس طریق کے صوفیاء کو کئی خوارقِ عادت فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں' جیسے تصرّفِ قلوب' سَلبِ مرض' دفعِ بلا و امراض اور کشفِ وقائع آئندہ وغیرہ۔ جنہیں عام لوگ ان کی کرامات سمجھتے ہیں مگر وہ خود ان کی حقیقت جانتے ہیں۔

Marfat.com

شجرۂ طریقۂ نقشبند

حضرت محمدؐ مصطفیٰ ﷺ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابویزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابوعلی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عارف ایوگری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمود فغنوی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

شمعِ جمال

امیرِ کبیر

سیّد علیؒ ہمدانی (شاہِ ہمدان) رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ امیریہ (ہمدانیہ) شجرۂ طریقت

Marfat.com

Marfat.com

اَمیرِ کبیر حضرت سَیّد علی ہَمدانی
المعروف بہ شاہِ ہَمدان
رحمتہ اللہ علیہ

بغداد کی غالب و برتر حکومت و خلافت ختم ہو چکی تھی۔ مشرق سے خروج کرتی ہوئی منگولوں کی قوت نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں وجود میں آ گئی تھیں۔ دریں اثناء اگر عسکری و سیاسی لحاظ سے کوئی مضبوط حکمران کے طور پر ابھرا تو وہ امیر تیمور تھا۔ علماء دین اور صوفیائے کرام رحمہا اللہ علیہم کا وہ اطمینان کہ اسلامی حکومت یا خلافت قائم ہے اور اس کا کوئی مرکز موجود ہے' ختم ہو چکا تھا۔ سب کچھ تخریب کی نذر ہو گیا تھا اور صورت حال نئے سرے سے تعمیر کی متقاضی تھی۔ نہ صرف رعایا کو بلکہ حکمرانوں کو بھی از سرنو تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی۔

ان حالات میں آٹھویں صدی ہجری کے ایک صوفی معلم حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی المعروف بہ شاہ ہَمدان رحمتہ اللہ علیہ نے کام شروع کیا۔ اس کار عظیم کے لئے انہوں نے سیاحت کی۔ حکمرانوں کو اسرارِ سُلطانی سے آگاہ کیا اور انہیں عملی سیاست میں مشورے دیئے۔ عوام کو معاش کے ایسے ذرائع سکھائے جو اپنے اندر تخلیقی فن کے درجے تک پہنچنے کے امکانات رکھتے تھے۔ تصنیف و تالیف کے ذریعے حکمت و سیاست اور اصلاح ظاہری و باطنی کی کامیاب سعی کی اور مشرق میں واقع عالم اسلام کے کئی ممالک اور علاقے ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے۔

حضرت امیر کبیر رحمتہ اللہ علیہ ۷۱۳ ہجری میں کوہ الوند کے دامن میں واقع ایران کے خوبصورت شہر ہمدان میں پیدا ہوئے۔ آپ حسب و نسب کے لحاظ سے حسینی سید تھے۔ اس لحاظ سے سیادت روحانی آپ کو ورثے میں ملی۔ آپ کا خاندان ہمدان کی حکومت میں بھی دخل رکھتا تھا مگر آپ نے حاکمانہ اقتدار کے کروفر کو چھوڑ کر علم و فضل اور فقرو درویشی کو اختیار کیا۔

Marfat.com

حضرت سید علاؤ الدولہ سمنانی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے ماموں تھے' جو حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے کبرویہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی مفکر تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت شیخ الاکبر ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ کے نظریہء وحدۃ الوجود کے بعض پہلوؤں سے اختلاف کا اظہار کیا اور شیخ عبدالرزاق کاشانی رحمتہ اللہ علیہ سے مسئلہ توحید وجودی اور توحید شہودی پر بحث کی۔

اپنے ماموں کی زیر سرپرستی حضرت شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ بعد میں انہوں نے آپ کو اپنے ایک تربیت یافتہ خلیفہ شیخ تقی الدین علی دوستی رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد کیا جنہوں نے آپ کو ذکر کی تلقین کی۔ وہاں سے غیبی اشارہ پاکر آپ شیخ علی دوستی رحمتہ اللہ علیہ کی اجازت سے شیخ محمود مزدقانی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں آئے جہاں تزکیہ کے لئے خانقاہ کی خدمت آپ کے سپرد کی گئی۔ یہ نفس کشی اور دفع تکبر و غرور کی ریاضت تھی' جس سے آپ کامیاب گذرے۔ چھ سال کے بعد واپس اخی علی دوستی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ یہاں بھی دو سال تک روحانی سلوک کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ علی دوستی رحمتہ اللہ علیہ انتقال فرما گئے۔ آپ پھر شیخ محمود مزدقانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے' جنہوں نے آپ کو طالبان حق کی رہبری کے لئے سیر و سیاحت کا اذن دیا۔

حضرت شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ تصوّف و فتوّت دونوں میں سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے۔ فتوت جوانمردوں کا طریقہء خدمت ہے جو سخا' صفاء اور وفا کی قدروں کو اولیت و اہمیت دیتے ہیں۔ اس کا خرقہ آپ نے کبرویہ سلسلہ کے حضرت محمد بن ازکانی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں پہنا تھا۔ بعد ازاں آپ نے اس موضوع پر ایک رسالہ "فتوّتیہ" بھی تصنیف فرمایا۔ بحیثیت شیخ آپ کی مساعی سے ظاہر ہے کہ آپ نے سفرو حضر میں اصلاح کار کے لئے تصوّف و فتوّت دونوں کے مقاصد کو پیش نظر رکھا۔ بیس سال کی عمر میں یعنی ۷۳۳ ہجری میں آپ نے سیاحت شروع کی۔ سفر کو ہمیشہ ہر سطح پر ایک اہم ذریعہء تعلیم تسلیم کیا گیا ہے۔ تصوّف کے نظامِ تربیت میں اس کا مقصد

Marfat.com

صُوفیاء و فُقراء سے ملاقات' آثارِ متبرکہ کی زیارات' مجاہدۂ نفس و ترک لذات وغیرہ ہوتا ہے۔ حضرت سید علی ہَمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے جب اپنے لئے سیاحت مطلقہ کو اختیار فرمایا تو آپ ایک صاحبِ ارشاد شیخ کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ اب مبتدیانہ مقاصد آپ کے پیش نظر نہ تھے بلکہ آپ طالبان حق کی رہنمائی کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے عمر بھر اس منصب کو ایسے نبھایا کہ اہل نظر نے آپ کو "مسافر مقیم اور مقیم مسافر" کہا ہے۔

۲۰ یا ۲۱ سال تک آپ نے مسلسل جہانگردی کی۔ دنیا کی تین بار سیاحت فرمائی۔ تذکروں میں جن مقامات پر جانے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں: مزدقان' خُتلان' یَزد' بلخ' بَدخشاں' تُرکستان' لدّاخ' ختا' ماورالنّہر' شام و بَغداد' عرب و حِجاز' روم و فرنگستان' کشمیر' ہندوستان و سَراندیپ وغیرہ۔ ان اسفار میں کئی مقامات پر آپ نے چلے کاٹے۔ تقریباً" بارہ حج کئے۔ ایک حج کے موقع پر آپ کو رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی اور "اوراد فتحیہ" آپ کو دیئے گئے۔ آپ کے ارادت مند اور دیگر سلاسل کے مردان راہ اب بھی یہ اوراد باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔

غرضیکہ اس بیس سالہ سَیروسیاحت کے دوران میں آپ سے کئی کرامات ظاہر ہوئیں۔ عجیب و غریب باتیں آپ کے مشاہدے میں آئیں۔ بے شمار ولیوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ کئی لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور کثرت سے لوگوں کو مرید کیا۔

۷۵۳ ہجری میں آپ چالیس سال کی عمر میں ہَمَدان لوٹے اور شیخ اذکانی رحمتہ اللہ علیہ کے کہنے پر نِکاح کی سُنّت پر عمل کیا۔

اس کے بعد تقریباً" بیس سال تک آپ اپنے وطن ہمدان میں مقیم رہے' جہاں آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ محققین کے خیال کے مطابق مشہور کتب یعنی ذُخیرۃُ الملوک' مشَاربُ الاذواق' حل الفصُوص' الفتوّتیہ اور شرحِ اسماء' اسی زمانہء قیام میں لکھی گئیں۔

۷۷۳ ہجری میں ساٹھ سال کی عمر میں آپ ختلان (تاجکستان) میں منتقل ہوئے۔ اس نقل مکانی کی قطعی تاریخ اور اسکی وجوہات کا علم نہیں۔ شاید اس کا سبب علاقہ

Marfat.com

میں طوائف الملوکی اور خانہ جنگی ہو۔ بہرصورت ختلان میں آپ سے بہت لوگ فیضیاب ہوئے۔ ان میں خواجہ اسحاق ختلانی رحمتہ اللہ علیہ نمایاں ہیں جو وہاں کے رؤسا میں سے تھے۔ پہلے وہ سلسلہء خواجگان سے تعلق رکھتے تھے۔ اب حضرت امیر کبیر رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ بعد میں انہیں آپکی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

دوسرے بزرگ نور الدین جعفر بدخشی رحمتہ اللہ علیہ تھے جنھوں نے "شرحِ اَورادِ فتحیہ" کے علاوہ "خلاصتہ المناقب" لکھی جو آپ کے سوانحی حالات و واقعات جاننے کے لئے سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

ختلاں سے پھر آپ شاید ہمدان نہیں گئے۔ ختلان میں آپ نے ایک مسجد اور خانقاہ تعمیر کرائی اور وقف کر دی۔ ختلاں کو مرکز مقرر کرکے ادھر ادھر آپ ضرور جاتے رہے، جیسے بدخشاں گئے اور حج کے لئے تشریف لے گئے لیکن جہاں سے اور جب بھی لوٹے تو درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کی غیر حاضری میں آپ کے فاضل مرید اور خلفاء اور خاص طور پر مولانا نور الدّین بدخشی رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ اسحاق رحمتہ اللہ علیہ یہ سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

۷۷۴ ہجری میں حج سے واپسی کے بعد ختلان میں بھی آپ کو مختلف جہات سے مصائب و ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا۔ شاید یہ خصومت علماء و حکام کی طرف سے تھی۔ آپ کی حق گوئی کسی کو پسند نہ تھی۔ چنانچہ علماء کی مجلس میں ایک دعوت میں بلا کے دھوکے سے آپ کو زہر پلایا گیا۔ مگر اللہ نے آپ کو اس کے اثر سے بچا لیا۔ امیر تیمور نے آپ کے ارادت مندوں کی کثرت سے خطرہ محسوس کیا۔ شاید خود امیر تیمور کو بھی آپ نے کچھ پندونصائح فرمائی ہوں گی۔ بہرصورت اس نے خواجہ اسحاق رحمتہ اللہ علیہ پر جرمانہ کیا۔ نیز آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو اپنی قلمرو سے نکل جانے کا حکم دیا۔

ادھر آپ نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ آپ کو کشمیر جانے کا حکم دے رہے ہیں۔ ۷۸۱ ہجری میں آپ سات سو مریدین و خلفاء کی جماعت کے ساتھ

Marfat.com

کشمیر میں وارد ہوئے۔ اس سے پہلے بھی آپ کشمیر آتے جاتے رہے تھے مگر اب کشمیر آپ کی آمدورفت کا مرکز بن گیا۔ آپ نے اپنے رفقاء کو کشمیر میں مختلف علاقوں میں پھیلا دیا۔ معلوم ہوتا ہے' ان میں بہت سے مرید ماہر کاریگر اور ہنرمند تھے۔ جنہوں نے اہل کشمیر کو اپنے پیشوں کے گُر اور طریقے سکھائے۔

والیء کشمیر سُلطان قطب الدین نے آپ کی بہت آؤ بھگت کی اور آپ سری نگر میں قیام پذیر ہوئے۔

اڑھائی سال بعد آپ لدّاخ کے راستے ترکستان گئے اور مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہوئے ۷۸۵ ہجری میں تیسری بار کشمیر میں تشریف لائے۔

۷۸۶ ہجری میں آپ حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلے اور پاکھلی (واقع مانسہرہ' ہزارہ) پہنچے۔ وہاں کے حاکم سلطان محمدّ خضر شاہ کے آپ مہمان تھے کہ وصال کا لمحہ آ پہنچا۔

آپ نے طالبانِ حقّ کے لئے وصیّت نامہ لکھا اور ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ کی رات تھی کہ آپ نے **یَا اَللّٰہُ' یَا رَفِیقُ' یَا حَبِیبُ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم** کا وِرد کرتے ہوئے وصال فرمایا۔ خانقاہ شاہ ہَمدان واقع سری نگر کی محراب پر یہ رباعی کندہ ہے' جس سے تاریخ ۷۸۶ نکلتی ہے:

حضرت شاہِ ہَمدانِ کریم آیہء رحمت ز کلامِ قدیم
گُفت دمِ آخر و تاریخ شُد بسم اللہِ الرّحمٰن الرّحیم

سُلطان محمدّ خضر شاہ نے اصرار کیا کہ آپ کو پاکھلی میں ہی دفن کیا جائے مگر آپ کے مریدوں نے آپ کی وصیت پر عمل کیا اور تابوت ختلان لائے۔ وہ ۲۵ جمادی الاول ۷۸۷ ہجری کو تابوت کے ساتھ ختلان پہنچے جہاں قریہء علی شاہ میں پہلے سے طے شدہ مقام پر آپ کو دفن کیا گیا۔

کہتے ہیں' بعد میں امیر تیمور پشیمان ہوا تو اس نے آپ کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا جو اب یکے از آثارِ قدیمہ کے طور پر بھی قابلِ دید ہے:

مَرقدش دَر وِلایتِ ختلان فیض می دہد بہ پیر و جوان

آپ کی وفات کے بعد سری نگر میں آپ کی عبادت گاہ پر ایک خانقاہ اور مسجد تعمیر

Marfat.com

کی گئی' جو خانقاہِ مُعلّٰی یا مسجدِ شاہ ہَمَدان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک خوبصورت اور تاریخی عمارت ہے' جس پر کئی اشعار اور رُباعیات کندہ ہیں۔ مسجد کی محراب پر حضرت شاہ ہَمَدان رحمتہ اللہ علیہ کی یہ رباعی لکھی ہے:

شاہا زِکرم بَرمَنِ درویش نگر بَر جانِ مَن خَستہ و دِلریش نگر
ہَر چند نیَم لائقِ بخشائشِ تو بَرمَن منِگَر' بَر کرمِ خویش نگر

یہ مسجد اب تک علومِ دینی اور خاص طور پر تصوّف و سلوک کا مرکز رہی ہے۔

حضرت شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء نے آپ کا کام جاری رکھا۔ خاص طور پر خواجہ اسحاق ختلانی رحمتہ اللہ علیہ سے دو سلسلے "نور بخشیہ" اور "ذہبیہ" چلے' جن کی روایت اب تک بعض علاقوں میں موجود ہے۔ آپ کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے وصال کے موقع پر بارہ سال کے تھے۔ آپ نے نور الدین جعفر بدخشی رحمتہ اللہ علیہ کے زیر نگرانی باطنی تربیت حاصل کی اور تکمیل تعلیم کے بعد رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔

حضرت میر محمد ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ ۷۹۶ ہجری میں کشمیر آئے اور ۲۲ برس یہاں قیام کیا۔ اس دوران میں اپنے والد کی طرح آپ نے اسلامی احکام کی ترویج کے لئے بہت کام کیا۔ ۸۱۷ھ میں حج ادا کیا۔ واپسی پر ختلان چلے گئے اور وہیں ۸۵۴ھ میں وفات پائی اور اپنے والد گرامی رحمتہ اللہ علیہ کے مرقد کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے کئی خاندان کشمیر اور پنجاب میں آباد ہیں جو سادات ہمدانی کہلاتے ہیں۔

فقیر راقم الحروف کے جدِّ امجد سیّد احمد المعروف بہ حضرت شاہ سُلطان بلاول ہَمَدانی رحمتہ اللہ علیہ' سیّد علی ہَمَدانی رحمتہ اللہ علیہ کی چودھویں پُشت میں سے تھے۔ ہمدان سے دَندَہ (تحصیل تلہ گنگ۔ پنجاب) میں بغرض تبلیغ دین و اشاعت فقر و تصوف تشریف لائے۔ آپ غالباً" قادریہ طریق سے وابستہ تھے------ کسی تذکرے میں ایک روایت کے مطابق خود حضرت امیرِ کبیر سیّد علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی ائمہ طریقہء قادریہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت سید احمد المعروف بہ شاہ سُلطان بلاول نے

Marfat.com

یہاں فقیری طریقے پر کام جاری رکھا۔

آپ کے چھ بیٹے تھے۔ دندہ میں بڑے بیٹے شاہ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے مشائخ گدی نشین چلے آ رہے ہیں۔ آج کل ایک شاخ میں طریقہء نقشبندیہ مجدّدیہ چل رہا ہے جو حضرت خواجہ دوست محمدّ قندھاری رحمتہ اللہ علیہ سے اس خاندان کے ایک بزرگ تک پہنچا اور دوسری شاخ طریقہء چشتیہ سے متعلق ہے۔ ان کے ایک بزرگ کو حضرت خواجہ غُلام فرِید رحمتہ اللہ علیہ (کوٹ مِٹھّن) سے اس طریق کی اجازت ملی۔

اس کے علاوہ مختلف مقامات پر ساداتِ ہَمَدانیہ کے اکابرین اپنے جدِّ اُمجد کے کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

تَعلیمات

حضرت اَمیر کبیر سیّد علی ہَمَدانی (شاہ ہمدان) رحمتہ اللہ علیہ آٹھویں صَدی ہجری کے ایک عظیم صُوفی مفکر تھے جنہوں نے تمام عمر ایک صوفی معلم و مبلغ کی حیثیت سے خلق خدا کی خدمت کے لئے وقف کئے رکھی اور انکی مساعی سے ان کے دائرۂ اثر میں دور رس نتائج مرتب ہوئے۔ ان کے متعلق ایک مقالہ نگار نے لکھا ہے:

> "شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ ایک باصفا صُوفی اور پاکباز عارف اور صاحبِ نَظَر ولی تھے اور ان کا طریق تصّوف' مسلکِ درویشی اور مشربِ عِرفان و معرفت تھا۔"(۱)

حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کی کُتب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ وہ فقہی علوم' علم کلام اور کئی دوسرے شعبہ ہائے علم میں بھی دوسرے علماء سے کم نہ تھے۔ مگر ان کا طریق فقیری و درویشی تھا۔ انہوں نے شروع سے خانقاہوں میں تربیت

Marfat.com

پائی اور پھر ایک صُوفی مُرشد و مُعلّم کی حیثیت سے رُشد و ہدایت کے کام پر مامور رہے۔ تصوف کی تکمیل کے بارے میں ان کا اپنا اقرار یہ ہے کہ "ہمدانی گنجے یافت کہ از افہام و عقول مُبرّا است"۔

اہل تصوف کے مکارم اخلاق اور ان کے مقامات سلوک کے بارے میں آپ نے تقریباً" وہی کچھ لکھا ہے جو ہمیشہ صوفیاء بیان کرتے ہیں مثلاً" آپ بنیادی محاسن اخلاق کا ذکر کرتے ہیں اور مقامات سلوک اور احوال کی وضاحت فرماتے ہیں جیسے توبہ' زُہد' توکّل' قناعت' عزلت' ذِکر' توجہ' صَبر' مُراقبہ' رَضا وغیرہ۔ یہاں تک تو ان کا نصاب تعلیم و تربیت وہی ہے جو صوفیاء کرام نے اپنے علم کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔ مگر چند اہم خصوصیات انکی سوانح اور طریقہء تعلیم میں ایسی نظر آتی ہیں جو انکے نظریہء تصوف کو دوسروں سے ممیز کرتی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں سیاحت و سفر ہے۔

آپ ایک سائح درویش تھے۔ تصوف و سلوک میں روحانی تربیت کی تکمیل کے بعد مرشد اپنے نائبین میں سے ہر ایک کو کسی کام پر لگا دیتے ہیں۔ بعض کو کسی خانقاہ میں بیٹھنے اور مقیم رہ کر "دوکانِ عشق" کھولنے اور چلانے کا حکم ہوتا ہے اور بعض کو سفر میں رہ کر تعلیم دینے اور فیضِ روحانیت عام کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ ثانی الذکر گروہ میں سے تھے۔ ان کے مرشد حضرت شیخ محمود مزدقانی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں سفر کرنے کے لئے کہا تھا۔ چنانچہ تقریباً" اکیس سال آپ سفر میں رہے۔

سفر کو "وسیلہء ظفر" کہا گیا ہے۔ یہ نہایت اعلیٰ سطح پر ایک ذریعہء تعلیم بھی ہے۔ باہمت طالب علموں اور اولوالعزم درویشوں کو عام طور پر ان کے اساتذہ و مرشدین نصابی و رسمی تعلیم کی تکمیل کے بعد سفر پر روانہ ہونے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ جس قدر سفر سے تکمیل ذات (Self realisation) میں مدد ملتی ہے' اتنی کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتی۔۔۔۔ حضرت شیخ احمد جام رحمتہ اللہ علیہ کا یہ شعر ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ پر صادق آتا ہے:

Marfat.com

ظہورِ مَردِ دانا دَر سَفر شُد ہمیشہ مَردِ دَانا دَر سَفر بِہ
(عقلمند آدمی کی دانائی سفر میں ظاہر ہوتی ہے' اچھا یہی ہے کہ مَردِ دانا ہمیشہ سفر میں رہے)۔

لیکن معلوم ہوتا ہے حضرت سیّد علی ہَمَدانی رحمتہ اللہ علیہ نے شروع سے ہی مرشد کی حیثیت سے سیاحت شروع کی۔ ایران' عرب' ترکستان' گلگت' لدّاخ اور کشمیر کی طرف ان اسفار میں کئی سو طالب اور مُریدین ان کے ساتھ ہوتے تھے' جن کی تعلیم و تربیت سفر و حضر میں جاری رہتی تھی۔ انہی حالات میں طالبوں اور شاگردوں کو اہل طریقت کے اسرار و رموز کی تشریح سے مستفید فرماتے اور خود اپنی علمی و ادبی کتب کا درس بھی دیتے تھے۔ اس طریق سے تربیت یافتہ ان خلفاء کو انہوں نے مختلف ولایات میں لوگوں تک فیض پہنچانے کے لئے مقرر فرمایا۔

گو یوں تو تصوّف میں ہر سالک یا طالبِ حق کو عبادات یا درستیء اخلاق کے لئے محنت و ریاضت کرنی پڑتی ہے مگر سفر میں محنت و رنج کشی اور صعُوبت و تکلیف کا مزا اور ہے اور اس کے ثمرات بھی اور ہیں۔ حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے طریقے میں سفر ایک مستقل عمل نظر آتا ہے۔

تصوّف میں مُعلّم اور اس کی تعلیم کو جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ صاحبِ ارشاد معلّم کی تعلیم اس کے اپنے تجربات و واردات سے مستنیر ہوتی ہے اس لئے خود اس کی ذات اور اس کا عمل نمونہء تعلیم و آموزش بن جاتا ہے۔ حضرت سیّد علی ہَمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات کے مطالعہ سے نظر آتا ہے کہ آپ مُبارزت (Challenge) قبول کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ سفر میں رہنے والے درویش میں تو ویسے بھی یہ خصوصیت ہونی چاہیے' کیونکہ سفر میں ہر وقت ناگہانی حالات پیش آتے رہتے ہیں۔ ایک بار حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے کہیں پڑھا کہ حضرت شیخ الاکبر محیّ الدّین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے ستّر دن تک کچھ نہیں کھایا پیا۔ آپ نے اپنے امتحان کے لئے ایک سو ستّر دن تک فاقہ کیا اور فرمایا کہ میں زندگی بھر ایسا کر سکتا ہوں۔

Marfat.com

بدیں سبب آپ کے نظریات تصوف میں سفر کے بعد مبارزت طلبی کی قدر بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو آپ کے خلفاء و مریدین ایران سے دور کشمیر و ترکستان میں برائے رشد و ہدایت منتقل ہو کر اس قدر کام نہ کر سکتے جس کی نتیجہ میں یہ خطہ تہذیبی و ثقافتی لحاظ سے بقول اقبال ''ایرانِ صغیر'' بن گیا۔

آپ کے طریقہ میں ایک روایت ''فتوت'' کی بھی تھی جو باقاعدہ رسمی طور پر بھی (یعنی یکے بعد دیگرے شجرہ کے ساتھ) آپ تک پہنچی اور آپ نے بھی بطریقِ احسن اس کا حق ادا کیا۔ ''فُتُوَّت'' کا تعلق خاص طور پر بیرون خانقاہ کی زندگی اور اس کی معاملات سے زیادہ تھا۔ ''فتیان'' (واحد فتیٰ بمعنی نوجوان) اہلِ طریقت کا وہ منظم گروہ ہوتا تھا جو مظلوم اور ضرورت مند انسانوں کے لئے اپنا جان و مال وقف رکھتا تھا۔ فُتوّت کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ حضرت سید علی ہَمدانی اسے سلوک کا ایک مرحلہ، فقر کا ایک جزو یا مقام اور ولایت کی ایک قسم شمار کرتے ہیں۔

اہلِ فُتوّت ایک دوسرے کو ''اَخی'' (بھائی) کہتے تھے، اپنے اخلاق کی حفاظت کرتے تھے اور ہر دم خدمتِ خلق کے لئے تیار رہتے تھے، رسالہ ''کتاب الفتوّت'' میں ان کے اعلیٰ خصائص آپ نے یوں بیان فرمائے ہیں: ''اے عزیز! اَخی باید کہ بمکارمِ اخلاق موصوف بُود، بخصائلِ پسندیدہ آراستہ باشد۔ با پیران بحُرمت باشد، باجوانان بنصیحت، باطفلاں بشفقت، با ضعیفاں برحمت، بادرویشاں بہ بذل و سخاوت، با علماء بتوقیر و حشمت، باظالماں بعداوت، با فاجراں باہانت، با خلق باحسان و مروت، باحق بتضرع و استکانت، بنفس بجنگ، باخلق بصلح، باہوا بمخالفت، با شیطان بمحاربت، بر جفائے خلق متحمل در مقابلِ اعلاء حلیم، در وقت مصائب صابر، در حالت رجا شاکر، بعیوب نفس خود عارف، از ذکر عیوب خلق ساکت، اندوہ و مصیبت خلق را کارہ، بتقدیرات قضائے ازلی راضی، از بدعت و ہوا دور، قدم در شریعت راسخ، نفس در طریقت ثابت، از مواضع تہمت محترز، بر علم نجات حریص، از اہل غفلت متنفر، در سفر مصاحبان را بطاعت معاون، بر جماعت مواظب، زیر دستاں را ناصح، باندک دنیا قانع، در احوال و اہوال آخرت متفکر، از افعال و اقوال خود خائف، از فضیحت و رسوائی قیامت ترساں

Marfat.com

و بفضل و عنایت دیان امیدوار"۔(۲)

گو یہ ایک آئیڈیل انسان کی خوبیاں ہیں مگر ان کے مواقع عمل سے ظاہر ہے کہ فُتّوت کا مقصد درحقیقت حقوق العباد کی انتہائی پاسداری اور ادائیگی تھا۔ حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ جب کئی سو سادات اور مریدین کے ساتھ ترکستان اور کشمیر میں وارد ہوئے تو انہیں تمام علاقوں میں پھیل جانے اور لوگوں کو "علم و صنعت و تہذیب و دین" سکھانے کے بارے میں ارشاد فرمایا--- یہ وہ اولوالعزم لوگ تھے جو فتوّت و طریقت دونوں سے یکساں نسبت رکھتے تھے۔

تاریخِ تصوّف میں حضرت سید علی ہَمَدانی رحمتہ اللہ علیہ اس لحاظ سے ایک نمایاں شان کے حامل نظر آتے ہیں کہ انہوں نے سفر و سیاحت کے ذریعہ طریقت و فتوت کی دونوں روایات کو قائم رکھا۔ یہ ایک بہت مشکل کام تھا مگر حضرت (رحمتہ اللہ علیہ) کی طبیعت میں عزم و ہمت کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے یہ کام آسان کر دکھایا۔ اپنی غزلوں میں بھی انہوں نے ان خوبیوں اور ان سے متعلق امور کا بار بار ذکر کیا ہے:

سَلامت جُوئی' محرومی ز ذوقِ مَنصب شاہی سَریرِ مُلک آں یَابدَ کہ عَزمش پُر خطَر باشد

جُزَ و کُل جویاں خاکِ کوئی آں عالی مقام ہر کہ یابد نکہتے عَزمَش باقصا می کَشد

ان حالات میں کام کرنے کے لئے جاں بازی و جاں سپاری کی ضرورت ہے اور یہ بغیر عشق کے ممکن نہیں۔ غزلیات میں ان باتوں کی تکرار بھی موجود ہے :(۳)

شیوۂ ایں رِندانِ درگاہ جانبازی بوَد چُوں تو ایں بازی نداری در رہِ او کج مباز
پیشِ بارانِ بلائے دوست ہر کو سر نہاد بَر فرازِ طارمِ عَلوی کنندش سَرفراز

نَقدِ حَیات خواہی جَاں کُن فِدائے جَاناں
کِین است دَر رَہِ عِشق آئینِ مِہرباناں

Marfat.com

سازِ راہِ عِشق سَر بازی و بَدنامی بوَد — گر سرِایں راہ داری درپئِ این سازشو

تا بکے ہمچو زناں ایں راہ و رسم و رنگ و بُوی — راہِ مرداں گیرو با صاحب دِلاں ہمرازشو

صوفیاء کرام چونکہ دُنیاوی لذتوں اور عیش و عشرت کے ہنگاموں سے دور رہتے تھے اور بادشاہوں اور امیروں کے محلات و دربار عام طور پر لذت کوشی اور عیاشی کے مراکز تھے' اس لئے وہ سوائے اشد ضرورت کے ادھر کا رخ نہ کرتے تھے۔ ہندوستان میں سلسلہء عالیہ چشتیہ کے خلفاء سلاطین کے درباروں میں خود بھی نہ جاتے تھے اور اپنے جانشینوں کو بھی حتیٰ الوسع دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ سلسلہء نقشبندیہ کے پیرو البتہ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بادشاہوں کے پاس جانے سے منع نہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ ان کے اپنے آنے جانے میں ایسی کوئی باقاعدگی بھی نہ تھی۔ پھر ایسا بھی ہوا ہے کہ بادشاہوں نے صُوفی بزرگوں کو کسی اہم سفارت کے لئے چُن لیا' جیسے حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک بار کسی معاملہ کی سفارت کے لئے بھیجا گیا مگر ان صوفیاء نے ان کاموں کو بھی ہنگامی فرائض کے طور پر ادا کیا اور پھر اپنی خانقاہوں اور زاویوں میں آکر بیٹھ رہے اور بدستور علمی و درسی اور تربیتی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کا نظریہ ان سب سے الگ تھا۔ آپ نے حکومت و سیاست کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کیا اور اپنے تئیں اُس کا اہل سمجھا کہ بادشاہوں اور حاکموں کی طرف توجہ منعطف فرمائیں اور بذریعہ مشاورت و ہدایت انہیں عدل قائم کرنے پر آمادہ کریں۔

آپ نے خاص طور پر کتاب "ذخیرۃ الملوک" لکھی' جس میں بادشاہوں کو رموزِ مملکت بتائے اور ان کو آگاہ کیا کہ ان کی اہم ترین اور اصل عبادت ملک میں عدل کا قیام ہے' بادشاہی یا سلطنت کی دس شرطوں میں سے پہلی دو آپ نے یہ لکھی ہیں:

"شرطِ اول یہ ہے کہ رعایا کو جو واقعہ پیش آوے' بادشاہ اور حاکم اپنے آپ کو

Marfat.com

اس حادثہ میں رعایا سے ہی ایک تصور کرے اور دوسرے کو اپنا حاکم سمجھے.....

"شرط دوم: مسلمانوں کی حاجتوں کے روا کرنے کو ہی بہتر عبادت سمجھے..... اور جب اس کو یہ معلوم ہو کہ ایک مسلمان اس کے دروازے پر محتاج اور منتظر بیٹھا ہے، جب تک اس کی حاجت روا نہ کرے، کسی عبادت میں مشغول نہ ہو"۔ (۴)

افلاطون نے تو "فلسفی بادشاہ" کو مثالی حکمران گردانا تھا مگر علم سیاست پر لکھنے والے مسلمان علماء میں حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ وہ واحد مفکر ہیں جنہوں نے "صوفی بادشاہ" کا تصور پیش کیا۔ آپ نے نبی بادشاہوں اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات لکھنے کے بعد واضح فرمایا ہے: "اے عزیز! یہ سب حکایات جو ہم نے بطور آنموزج لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہما السلام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے (اللہ کا ان پر سلام اور درود ہو) سلطنت و بادشاہی میں کس طرح حکومت کو نباہا اور باوجود بادشاہی طاقت اور خزائن کے اپنے نفس کو کس قدر تنگ رکھا اور دنیاوی مصائب پر کیسے حوصلہ سے کام لیا اور اگرچہ انہوں نے معدلت و شفقت اور احسان کے باب میں غایت درجہ پر کوشش کی مگر پھر بھی ولایت اور حکومت کے خطروں سے بے خطر نہ رہے۔" (۵)

آپ کے نزدیک مسلمان بادشاہ کی تعلیم و تربیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ تصوف میں احوال و مقامات طے کرکے تکمیل کرے یا نہیں مگر اسے اہل طریقت کے طور طریقوں سے علمی و عملی طور پر آگاہ ہونا چاہئے۔ یہ بھی لازم ہے کہ وہ ان کی صحبت میں رہا کرے بلکہ بادشاہ یا حاکم کے لئے انہوں نے ضروری سمجھا ہے کہ وہ ان سے ہدایت حاصل کرے۔ اگر کوئی شیخ کامل نہ ملے تو ایسے خیر خواہ مصاحبین کا دم غنیمت جانے جو اسے عیوب و نقائص سے مطلع کریں۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مولا پاک کی یہ سنت ہے کہ ہر ایک زمانہ اور قرن میں عبودیت کے بساط پر بہت سے ابراہیم (علیہ السلام) صفت مسند ہدایت پر جلوہ افروز ہوتے رہیں گے جو عالم حقیقت کے بادشاہ اور ارباب طریقت کے رکن ہوں گے۔ ان کا کام ہو گا کہ صفائی کے منازل کو وفا کے

Marfat.com

قدموں سے طے کریں گے اور نصائح کے ناخنوں سے اہل جفا کے نفوس کی اراضی سے بدبختی کے کانٹے نکالتے رہیں گے اور ان مقبولوں کو فیض صحبت اور بام رحمت سے بے چارے گناہگار بدبختی کے درکات سے خلاصی پاویں گے..... گویا ان کا وجود پاک اور ان کا ہونا کون و مکان کا زُبدہ اور زمانہ کا خلاصہ خیال کرنا ہو گا۔ جن کو زمانہ کا مجدد کہنا زیبا ہو گا"۔(۶)

گو دوسرے صوفیاء نے بھی اس قسم کے اولیاء اللہ اور صالحین کا ذکر کیا ہے مگر حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو خاص طور پر سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ دعا، برکت، نصیحت، اور مشورہ کے لئے ان کی طرف رجوع کرو۔ آغا حسین شاہ ہمدانی نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے: "سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ واحد صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے ملک میں صوفی مسلک کی موجودگی کا خیال پیش کیا ہے تاکہ وہ حکمران پر نگران رہے اور اسے صراط مستقیم پر رکھے۔ آپ کے فلسفہء سیاست کا یہ نظریہ آپ کو دوسرے صوفیوں سے ممتاز کرتا ہے جو صوفیوں کے لئے ایسے کسی رول کے بارے میں نہیں سوچتے"۔(۷)

یوں تو تمام مسلمان مفکرین و مصلحین حکمرانوں کو عدل و احسان کے ساتھ حکومت کرنے کی تلقین کرتے ہیں مگر حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے صرف تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ عملی طور پر عوام کی اقتصادی فلاح اور معاشرتی اصلاح کے لئے تربیت یافتہ مرید ملک میں پھیلا کر حکمرانوں کی مدد بھی کی۔ دوسری طرف انہوں نے ریاست کے ہر فرد کو "مُحتسِب" کا فرض سونپ دیا ہے۔ گو اس احتساب کو موقع و محل اور طریق کار اور صورت حال کے ساتھ مشروط کیا ہے مثلاً کسی شخص کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ احتساب کے نام پر فتنہ و فساد برپا کرے۔

امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے "منصب سلطنت" کو بہت اہمیت دی کیونکہ خلق خدا کا امن و چین اور فلاح و بہبود براہ راست اس سے وابستہ ہے۔ ان کے نزدیک "حاکم عادل" ہی "مصلح کامل" ہے۔ فرماتے ہیں کہ شروع میں بادشاہی اور نبوت یکجا تھیں کیونکہ "اول کسے کہ منصب سلطنت قبول کرو و بادائے

Marfat.com

حقوق ایں امر رفیع قیام نمودہ آدم بود صلوٰۃ اللہ علیہ"۔ بعد میں نبوت و بادشاہی کبھی ایک ہستی میں جمع رہیں اور کبھی یہ مناصب الگ الگ سونپے جاتے رہے۔

مزید تفصیلات و جزئیات سے گریز کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ ان مشائخ کبار میں سے تھے جو صوفیاء کرام میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہوئے الگ نظریہ بھی رکھتے تھے۔ آپ کے سلوک میں دنیاوی زندگی میں حقوق العباد کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے کہ ایک جگہ آپ نے رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے: "خدا کی طرف اتنے راستے ہیں جتنے خلق اللہ کے سانس" اور فرمایا ہے: "لیکن ان تمام رستوں سے زیادہ نزدیک اور مفید اور کوئی نہیں سوائے اس کے کہ دلوں کو آرام پہنچایا جائے اور ہم نے بھی اسی راہ سے مقصود حاصل کیا ہے اور اپنے دوستوں اور یاروں کو اسی راستے کی وصیت کی ہے"۔

اس زندگی میں خلق خدا سے ہمدردی اور محبت نیز حکومت و سیاست کے ذریعہ قیام عدل نے آپ کے نظریہء تصوف کو وہ رنگ دیا ہے کہ آپ بزرگان طریقت کی صف میں ایک امتیازی وصف کے حامل نظر آتے ہیں یعنی جہاں آپ نے سیاحت و سفر کو ایک مستقل قدر کے طور پر اپنے سلوک میں جگہ دی اور اس کے ساتھ عزم پر خطر' ہمت عالی' سخت کوشی اور جاں سپاری و جاں بازی کے خصائص کو سراہتے ہوئے اپنے مریدین کو ان کے اپنانے کی تلقین فرمائی' وہاں بادشاہوں اور حکمرانوں کے قرب میں بھی آپ نے کوئی وسوسہ محسوس نہیں کیا کیونکہ ظاہری حکومت و سیاست کی اہمیت سے بھی آپ آگاہ تھے۔ جہاں تیمور کو آپ نے ڈانٹا اور اس کی سطوت کو عدل کے بغیر بے معنی قرار دیا وہاں دوسرے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اپنی توجہ اور دعا سے بھی محروم نہیں رکھا بلکہ ان کی ہدایت کے لئے عملی طور پر یہاں تک کوشاں ہوئے کہ اگر آپ نے دو بادشاہوں کے درمیان صلح کو امن عامہ اور رفع عناد کے لئے ضروری سمجھا تو میدان جنگ میں جاکر ان کی صلح کرا دی۔

آپ کی منقبت لکھ کر بہت سے شعراء نے داد سخن دی ہے اور ان سب میں

Marfat.com

غایت درجہ کی عقیدت کا رنگ جھلکتا ہے اور وہ سب معنی و مطلب کے لحاظ سے بجا اور برحق ہیں مگر علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے چند اشعار جو "جاوید نامہ" میں رقم فرمائے، وہ اس لحاظ سے وقیع اور قابل داد ہیں کہ ان میں آپ کی سوانح کے حوالوں سے آپ کے کام اور نظریہء تصوف کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ کلمات--- "سیّد السّادات"" "سالارِ عجم"" "معمارِ تقدیرِ امم"" "میرو درویش و سلاطیں را مشیر"" "داد علم و صنعتِ تہذیب دِ دیں"" "باہُنر ہائے غریب و دِلپذیر" اور "یک نگاہِ او"--- آپ کی ذات کے حوالے سے علم و تصوف میں اس فکر و نظر کو بھی واضح کر رہے ہیں جو دوسرے بزرگوں سے آپ کو ممیّز کرتی ہے اور آج کے دور میں بھی قابل غور اور قابل عمل ہے:

سَیّد السّادات، سالارِ عجم
دستِ او معمارِ تقدیرِ اُمم
تا غزالی دَرس اَللہ ھُو گرفت
ذِکر و فِکر از دُودمانِ او گرفت
مُرشدِ آں کشورِ مینو نظیر
میر و درویش و سَلاطیں را مشیر
خِطّہ را آں شاہِ دریا آستیں
دَاد عِلم و صَنعت و تہذیب و دِیں
آفرید آں مَردِ ایرانِ صَغیر
بَاہُنر ہائے غریب و دِلپذیر
یک نِگاہِ اُو کشاید صَد گِرہ
خیز و تیرش را بدل راہے بدہ

❁

Marfat.com

(الف) : ماخذ : سوانحی خاکہ

1 :- امیر کبیر سیّد علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ' از : ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر۔ ندوۃ المصنفین۔ لاہور' ۱۹۷۲ء

2 :- "سالارِ عجم" از : ڈاکٹر سیّد عبدالرحمٰن ہمدانی۔ مکتبہء تعمیر انسانیت' اردو بازار۔ لاہور

3 :- "میر سیّد علی ہمدانی" رحمتہ اللہ علیہ' از : ڈاکٹر محمّد ریاض۔ سنگِ میل پبلیکیشنز۔ لاہور' ۱۹۷۵ء

ب : حوالے : تعلیمات

1 :- "امیرِ کبیر سیّد علی ہمدانی" رحمتہ اللہ علیہ' صفحہ ۱۶۹' از : ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر

2 :- "کتاب الفتوّت" ص ۷۲' تحقیق : ڈاکٹر محمد ریاض۔ محکمہء اوقاف۔ لاہور

3 :- چہل اسرار یا غزلیات' میر سیّد علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ' انتشاراتِ وحید۔ ایران

4 :- اردو ترجمہ "ذخیرۃ الملوک" مترجم مولوی غلام قادر' لاہور' ۱۳۳۴ھ

5 :- ایضا" صفحہ ۱۲۴

6 :- ایضا" صفحہ ۲۳۳

7 :- The Life and works of Syyed Ali Hamadani-Islambad1984-p.23

○○○

Marfat.com

غایت درجہ کی عقیدت کا رنگ جھلکتا ہے اور وہ سب معنی و مطلب کے لحاظ سے بجا اور برحق ہیں مگر علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے چند اشعار جو "جاوید نامہ" میں رقم فرمائے' وہ اس لحاظ سے وقیع اور قابل داد ہیں کہ ان میں آپ کی سوانح کے حوالوں سے آپ کے کام اور نظریہء تصوف کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ کلمات--- "سیّد السّادات"' "سالارِ عجم"' "معمارِ تقدیرِ امم"' "میرو درویش و سلاطیں را مشیر"' "داد علم و صنعتِ تہذیب وِ دیں"' "باہُنر ہائے غریب و دِلپذیر" اور "یک نگاہِ او"--- آپ کی ذات کے حوالے سے علم و تصوف میں اس فکر و نظر کو بھی واضح کر رہے ہیں جو دوسرے بزرگوں سے آپ کو ممیّز کرتی ہے اور آج کے دور میں بھی قابل غور اور قابل عمل ہے:

سَیّد السّادات' سُالارِ عَجَم
دستِ او معمارِ تقدیرِ اُمم
تا غزالی دَرس اَللہ ھوُ گرفت
ذِکر و فِکر از دُود مانِ او گرفت
مُرشدِ آں کشورِ مینو نظیر
مِیر و درویش و سَلاطیں را مشیر
خِطّہ را آں شاہِ دریا آستیں
دَاد عِلم و صَنعت و تہذیب و دِیں
آفرید آں مَردِ ایرانِ صَغیر
بَاہنُر ہائے غریب و دِلپذیر
یک نِگاہِ اوُ کشاید صَد گِرہ
خیز و تیرش را بدل راہے بدہ

❀

Marfat.com

(الف): ماخذ: سوانحی خاکہ

1 :- امیر کبیر سیّد علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ' از : ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر۔ ندوۃ المصنفین۔
لاہور' ۱۹۷۲ء
2 :- "سالارِ عجم" از : ڈاکٹر سیّد عبدالرحمٰن ہمدانی۔ مکتبہء تعمیر انسانیت' اردو بازار۔ لاہور
3 :- "میر سیّد علی ہمدانی" رحمتہ اللہ علیہ' از : ڈاکٹر محمدؐ ریاض۔ سنگِ میل پبلیکیشنز۔
لاہور' ۱۹۷۵ء

ب: حوالے: تعلیمات

1 :- "امیرِ کبیر سیّد علی ہمدانی" رحمتہ اللہ علیہ' صفحہ ۱۶۹' از : ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر
2 :- "کتاب الفتوّت" ص ۷۲' تحقیق : ڈاکٹر محمد ریاض۔ محکمہء اوقاف۔ لاہور
3 :- چہل اسرار یا غزلیات' میر سیّد علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ' انتشاراتِ وحید۔ ایران
4 :- اردو ترجمہ "ذخیرۃ الملوک" مترجم مولوی غلام قادر' لاہور' ۱۳۳۴ھ
5 :- ایضاً" صفحہ ۱۲۴
6 :- ایضاً" صفحہ ۲۳۳
7 :- The Life and works of Syyed Ali Hamadani-Islambad1984-p.23

OOO

Marfat.com

طَرِیقہء اَمیریہ (ہَمَدانیہ)

امیر کبیر حضرت سیّد عَلی المعروف بہ شاہِ ہَمدَان رحمتہ اللہ علیہ کبرویہ طریق سے تعلق رکھتے تھے اور اس طریق کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ”طبقہ کبرویہ کی نسبت ایک سی نظر نہیں آتی' مُتقدّمین کی نِسبت کی کیفیت اور تھی اور متاخرین میں کچھ اور“۔

حضرت شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ کے طریقہ کو گو طریقہء ہمدانیہ بھی کہا گیا ہے مگر اب ہَمدَانی وہی کہلاتے ہیں جو ان سے حَسب نَسب رکھتے ہیں لہٰذا ہَمدَانی اب ایک خاندانی لَقَّب ہے۔ ان کے طریقہ کو طریقہء امیریہ بھی کہا گیا ہے اور اب یہی نام مناسب ہے۔ اس کی خصوصیت ان کے نظریہء تصوف اور اعمال سلوک کا نتیجہ ہیں۔

حضرت شاہِ ہَمدَان رحمتہ اللہ علیہ کے تصوّف کی رُو سے تزکیہ' ذوقِ سِیاحت' اہلِ طریقت سے میل مِلاپ' ”عزمِ پُر خطر“ اور اِصلاح خاص و عام اس طریقہ کی خصوصیات ہیں۔ اس لئے اس طریقہ کے مشائخ و صوفیاء ابنائے دنیا کے درمیان رہ کر امیری میں فقیری کے اسلوب پر کاربند رہتے ہیں۔ اگر کوئی بنظرِ غائر دیکھے تو ان کے اسلوب زندگی میں صاف دیکھ سکتا ہے کہ ان کا باطن حب دنیا کو ترک کر چکا ہے' مادی اسباب اور ٹھاٹھ باٹھ سے ان کی بے نیازی صاف نظر آتی ہے۔

ان کے اذکار میں ”اورادِ فتحیہ“ کو بُنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ آیاتِ قرآنی اور مسنُون دعاؤں اور درود شریف کی ایک خاص ترتیب میں منسلکہ اوراد ہیں' جنہیں اس طریقہ کے لوگ روزانہ پڑھتے ہیں۔ اس کی تاثیر ہر قسم کی دینی و دنیاوی ”فتح“ ہے۔ ان اوراد کا صِدقِ دل سے پڑھنے والا با اقبال اور دِین و دُنیا میں کامیاب رہتا ہے۔

Marfat.com

شجرۂ طریقت امیریہ (ہمدانیہ)

حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
حضرت علی کرم اللہ وجہہ'
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ'
حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ'
حضرت امام باقر رحمتہ اللہ علیہ
حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ
حضرت امام موسیٰ کاظم رحمتہ اللہ علیہ
حضرت شیخ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت شیخ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابو علی رودباری رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابو علی الکاتب رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابو عثمان المغربی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابوالقاسم جورجانی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابوبکر نساج رحمتہ اللہ علیہ
حضرت احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ
حضرت عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ
حضرت علی لالا رحمتہ اللہ علیہ
حضرت احمد حوزقانی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت عبدالرحمٰن اسفرائنی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت علاؤ الدولہ سمنانی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت محمود مزدقانی رحمتہ اللہ علیہ
حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

شمعِ جمال

اساتذۂ تصوف

حُجۃ الاسلام اِمام محمّد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاکبر محیّ الدّین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا جلال الدّین محمّد بلخی رومی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

شمع جمال

(الف)

حجۃ الاسلام

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ غزالیہ

Marfat.com

حجتہ الاسلام امام ابوحامد محمدؐ غزالی رحمتہ اللہ علیہ

خراسان (ایران) میں موجودہ شہر مشہد کے نزدیک طوس کا علاقہ واقع تھا۔ پہاڑوں، چشموں اور باغوں کے درمیان اس کے دو بڑے آباد اور بارونق قصبے طابران اور نوقان تھے۔ اس مردم خیز خطے میں بڑے بڑے صوفیاء جیسے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اور حسین بن منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہ، شعراء جیسے فردوسی اور عمر خیام اور حکام جیسے نظام الملک طوسی وغیرہ نے جنم لیا۔ یہیں طابران میں امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ ۴۵۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔

امام غزالی کا خاندان گو ایک علمی خاندان تھا مگر ان کے والد شاید درسی تعلیم مکمل نہ کر سکے تھے۔ وہ دھاگے بیچ کر گزارہ کرتے تھے۔ کاتنے کو عربی میں غزل کہتے ہیں اسی لئے ان کے دونوں صاجزادے غزالی کہلائے۔ تعلیم میں اپنی کمتری کا انہیں شدید احساس تھا، اس لئے وہ دعا کیا کرتے تھے کہ انہیں ایک ایسا بیٹا عطا ہو جو بڑا ہو کر عالم فاضل بنے۔ چنانچہ جب ابوحامد محمدؐ رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے تو ان کے والد نے ارادہ کیا کہ وہ انہیں اور دوسرے بیٹے احمد کو اعلیٰ تعلیم دلوائیں گے۔ مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ بسترِ مرگ پر انہوں نے اپنی کچھ پونجی اپنے ایک درویش منش دوست کے حوالے کرتے ہوئے وصیت کی کہ محمدؐ اور احمد دونوں کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ ان کے دوست نے ایسا ہی کیا۔ احمد (ابوالفتوح مجدّد الدین احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ) تو شروع ہی سے صوفیوں میں جا ملے مگر محمدؐ نے تعلیم جاری رکھی۔ بہت پڑھا اور اتنا کچھ پڑھنے کے بعد حجتہ الاسلام اور امام الصوفیہ بن گئے۔

پہلے تو انہوں نے خود اپنے والد کے صوفی دوست سے ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ طوس میں ہی شیخ احمد بن محمد رازکانی سے فقہ پڑھی اور پھر جرجان میں ابونصر اسماعیلی کے درس میں جا شامل ہوئے۔ وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ وہ واقعہ پیش

Marfat.com

آیا جو اکثر تذکروں میں نقل کیا گیا ہے۔ اثناء سفر میں ڈاکہ پڑا۔ ڈاکو سب کا سامان لوٹ لے گئے جس میں طالب علم محمد غزالی کی کتابیں بھی تھیں۔ انہوں نے جرات کی اور ڈاکوؤں سے کتابیں واپس کرنے کی التجا کی۔ انہوں نے ڈاکوؤں کو بتایا کہ انہوں نے سخت محنت کی ہے اور اگر یہ کتب انہیں واپس نہ ملیں تو سب محنت رائیگاں جائے گی۔ اس پر ڈاکوؤں کے سردار نے قہقہہ لگایا اور اور کہا کہ وہ علم کس کام کا جو کتابوں کے گم ہونے کے ساتھ گم ہو جائے۔ تاہم کتابیں انہیں واپس مل گئیں مگر غزالی کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ علم وہی جو دل میں ہو۔ چنانچہ طوس واپس آکر انہوں نے سب یادداشتوں کو تین سالوں میں ازبر کر لیا۔

اسی عرصے میں شاید وہ صوفی بزرگ حضرت یوسف نساج رحمتہ اللہ علیہ کے زیر اثر آئے اور تصوف کے احوال و مقامات سے شناسائی حاصل کی۔

عام طور پر امام صاحب کے حالات میں تذکروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ ظاہری علوم میں مہارت کے بعد کہیں تصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پہلے انہیں تصوف سے کچھ تعلق نہ تھا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ شروع سے ہی صوفیوں کے زیر اثر رہے۔ ان کے والد کے دوست اور سرپرست صوفی تھے۔ پھر حضرت یوسف نساج رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ صحبتیں رہیں اور کچھ واردات کا تجربہ بھی ہوا مگر یہ سب ابتدائی تجربے تھے۔ وہ پورے صوفی اس وقت ہی ہوئے جب تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صوفیوں کے ساتھ جا ملے اور بعد ازاں مکمل صوفی معلم بن کر ظاہر ہوئے۔

یوسف نساج رحمتہ اللہ علیہ ابھی ان پر صوفیوں کا رنگ نہیں چڑھا پائے تھے کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ طوس کے کچھ طالب علموں کے ساتھ مل کر نیشا پور جا پہنچے اور وہاں امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی (اصل نام عبدالملک تھا) کے پاس مختلف ظاہری علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ امام الحرمین گو صوفی بھی تھے مگر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے زیادہ تر دینیات' الٰہیات' فلسفہ' منطق کے مضامین پر توجہ مرکوز رکھی اور استاد کی نظروں میں اونچا مقام حاصل کیا۔

Marfat.com

امام الحرمین اپنے تین ذہین شاگردوں کے متعلق کہا کرتے تھے۔ "غزالی بحر زخار' کیا شیر درندہ اور خوافی آتش سوزاں ہے"۔ مگر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے سوا باقی سب ایام تاریخ کے گرد و غبار میں گم ہو کے رہ گئے۔

نیشا پور میں ہی امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ طریقہء خواجگان کے ایک مرشد حضرت بوعلی فارمزی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں آنے جانے لگے جو گلہائے رنگ رنگ سے گھری ہوئی ایک خانقاہ میں حلقہء درویشاں میں بیٹھتے تھے۔ ان سے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف میں بہت کچھ سیکھا اور جب بعد ازاں انہوں نے اپنے تیئں تصوف و سلوک کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا تو اس خانقاہ سے حاصل کردہ سب معلومات ان کی نظر میں تھیں' بلکہ کہتے ہیں' اسی زمانے میں وہ کچھ زہد و ریاضت اور خلوت و اعتکاف کی طرف بھی مائل ہوئے اور ظاہری علوم سے تسلی نہ پاکر تقرب الی اللہ کی طرف توجہ انہیں دنوں زیادہ ہوئی' گویا اندر ہی اندر بے اطمینانی جڑ پکڑ رہی تھی۔

امام الحرمین نے ۴۷۸ھ میں انتقال کیا اور امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اب دنیا میں اپنا مقام ڈھونڈنے کے لئے سلجوقی حکمران ملک شاہ کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی کے دربار میں پہنچے۔ سلجوقیوں کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ ان کی سلطنت کاشغر سے لے کر بیت المقدس تک اور قسطنطنیہ سے لے کر بحر خزر تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلجوقی سلاطین کے سامنے خلافت بغداد کی حیثیت محض ایک روحانی گدی کی سی تھی۔ زمام کار سلجوقی شہنشاہ اور اس کے وزیر اعظم نظام الملک کے ہاتھ میں تھی اور یہ وزیر بہت علم پرور تھا۔ اس نے مسجدیں بنوائیں' مدارس کھلوائے' علمی مجلسوں کی بنیاد رکھی۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اس کے پاس پہنچے تو وہ علامہ تھے' پھر اس کے ہم وطن تھے' انہوں نے اس کی نظروں میں ایسا مقام پایا کہ اس نے انہیں ۴۸۴ ہجری میں بغداد کے مدرسہء نظامیہ کا صدر دینیات مقرر کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً" چونتیس سال تھی۔

جب انہوں نے مدرسہء نظامیہ میں تدریس کا کام سنبھالا تو فقہاء ان کے پاس

Marfat.com

آئے اور کہا کہ ہمارے ہاں دستور ہے کہ جب دینیات کا درس شروع ہوتا ہے تو ہم حاضر ہوتے ہیں' آپ بھی براہ کرم ہمیں بلائیے گا۔ امام صاحب نے کہا: "بڑی خوشی سے آئیے مگر اس دن یا تو آپ دعوت کریں گے اور میں تاریخ مقرر کرتا ہوں یا آپ لوگ تاریخ مقرر کریں اور میں دعوت دیتا ہوں"۔ وہ بولے: "نہیں' آپ دعوت کریں گے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں آج ہی بلایا جائے"۔ امام صاحب نے کہا: "میں تو پھر روٹی' سرکے اور ساگ پات کا ہی انتظام کر سکتا ہوں"۔ انہوں نے کہا: "نہیں واللہ' ایسا ہے تو آپ ہی تاریخ مقرر کریں اور ہم دعوت دیں گے' ہمارا ارادہ ہے کہ ہم مرغی کے گوشت اور حلوے کا بندوبست کریں"۔ تب امام غزالی نے فرمایا: "بہت اچھا' تو پھر یہ تاریخ دو سال بعد مقرر کی جائے گی"۔ وہ امام صاحب کی اس بات پر دم بخود رہ گئے اور اپنا سا منہ لے کر چلے گئے--- معلوم ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب باتوں میں ان سے کوئی جیت نہ سکتا تھا۔

مدرسہء نظامیہ میں مدرسی کا یہ دور امام صاحب کے لئے خوشحالی' دولت اور ایک لحاظ سے امارت کا دور تھا۔ خدم و حشم کی کمی نہ تھی۔ امراء کی طرح رہتے تھے۔ ان کی ساری زندگی میں امیرانہ طور طریق کی یہی قلیل مدت تھی جو بہت جلد گزر گئی۔ مگر اس مختصر عرصے میں بھی امام ابو حامد محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ ایک معلم اور عالم دین کی حیثیت سے زندگی کو بغور دیکھتے رہے جو ہر دم رواں دواں تھی مگر یہ آؤ چلاؤ امام صاحب کو کہیں اندر سے ضرور کھٹکتا تھا------ گو بظاہر اس کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہئے تھے کیونکہ ایک سرکاری مدرسے کے استاد اور حکومت میں بارسوخ ہونے کی بناء پر وہ بڑی شان و شوکت کے مالک تھے' دربار خلافت میں انہیں رسائی حاصل تھی' ان کے درس مقبول عام تھے اور شاگردوں کی تعداد اور ان کے درمیان ہر دلعزیزی قابل رشک تھی۔ گویا بہت ہی کم مدت میں وہ ہر دلعزیزی اور شہرت کی بلندیوں پر جا پہنچے تھے۔

صرف چار سال کے عرصے میں ہی امام صاحب کی طبیعت اس جاہ و حشم سے اکتا گئی۔ پریشانی بڑھی تو دماغ اور اعصاب جواب دینے لگے۔ بیمار پڑ گئے۔ کوئی علاج

Marfat.com

کارگر نہ ہوا کیونکہ ان کے مرض کی اصل وجہ ذہنی و باطنی تھی۔ ان کی خستگی اور شکستگی اس بناء پر تھی کہ جس قدر علوم انہوں نے حاصل کئے تھے وہ سب ان کے روحانی مسائل کے حل میں کام نہ آسکتے تھے۔ اب صرف تصوف باقی تھا جو عمل کے بعد ہی کسی نتیجہ کو ظاہر کر سکتا تھا۔ کیونکہ تصوف کی طرف آنے سے پہلے امام صاحب نے ہر نسخہ استعمال کر ڈالا تھا مگر بے اطمینانی دور نہ ہو سکی حتیٰ کہ ایک صوفی رفیق سے انہوں نے پوچھا کہ میں تلاوت قرآن میں مشغول رہا کروں۔ مگر اس دانشمند صوفی نے مشورہ دیا کہ اس سے کچھ نہ ہو گا۔ مؤثر طریقہ یہ ہے کہ گھربار' مال و متاع سب کچھ چھوڑ کر ریاضت و خلوت اختیار کرو اور اذکار و مراقبات میں مشغول رہو یہاں تک کہ بقا باللہ ہو جاؤ۔ جب ایسا ہو جائے تو پھر تم امام بن جاؤ گے۔ تب تمہارا واحد مقصد یہ ہو گا کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ۔ امام صاحب پر ایسی بے کلی کی کیفیت طاری تھی کہ انہوں نے یہ مشورہ قبول کیا اور ۳۸ سال کی عمر میں سب بکھیڑوں کو اس حالت میں خیرباد کہا کہ "پُر تکلف اور قیمتی لباس کی بجائے بدن پر کمبل تھا اور لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گذران تھی"۔

پھر بارہ سال تک امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے صوفیوں کی مجلسوں میں فیض پایا' زہد اختیار کیا' اوراد و وظائف میں مشغول رہے' مراقبے کئے' اس عرصہ میں دمشق میں رہے' بیت المقدس گئے' حرمین شریفین کی زیارت کی اور مدت تک وہیں قیام رہا' مصر اور اسکندریہ بھی پہنچے۔ ان سالوں میں اگرچہ زیادہ تر وہ گمنامی کی حالت میں رہے مگر انہوں نے عام طور پر علمی مشاغل کا التزام بھی رکھا۔ مثلاً دمشق میں درس دیتے رہے۔ اسی عرصے میں "احیاء العلوم" لکھی۔ اس کتاب میں جس طرح انہوں نے باطنی نفسیات کا جائزہ لیا ہے وہ گویا ان کی اپنی ذات اور ان کے ہم عصر علماء و فضلاء کی خوبیوں اور خامیوں کا تجزیہ ہے مگر انہوں نے اسے ہر سالک و درویش کے تزکیہ اور روحانی ترقی کے لئے ایک گائیڈ بنا ڈالا۔

ترکِ مرتبہ و اختیار کے اس دور میں ایک شخص نے ان کو صحرا میں دیکھا کہ ایک گدڑی پہن رکھی تھی اور صرف پانی کی ایک چھاگل پاس تھی۔ وہ پہلے ان کو کئی

Marfat.com

سو شاگردوں کے حلقے میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ آیا درس دینے سے یہ حالت بہتر ہے؟۔ امام صاحب نے حقارت کی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور عربی میں دو اشعار پڑھے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"میں نے لیلیٰ سے محبّت ترک کر دی اور میری خوشی مجھ سے دور ہو گئی اور میں اپنی پہلی منزل پر لوٹ آیا۔

میرے شوق نے آواز دی اور کہا: نرمی سے چلو۔ یہ اس کے منازل ہیں جس سے تم عشق کرتے ہو---- آہستہ اور ہلکے قدموں سے چلو۔

میں نے ان کے لئے ایک عمدہ تاگا کاتا تھا مگر اس تاگے کو کوئی بُننے والا نہ مل سکا سو میں نے چرخہ ہی توڑ ڈالا"۔

۴۰۹ ہجری میں انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک پر کھڑے ہو کر عہد کیا کہ

کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جاؤں گا۔

کسی بادشاہ کا عطیہ قبول نہ کروں گا۔

کسی سے مناظرہ و مباحثہ نہیں کروں گا۔

جب حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے اندر کے سب سوالوں کے جواب مل گئے اور آئینۂ دل صیقل ہو گیا اور انہوں نے دیکھ لیا کہ نبوت کا چراغ علم کس نور سے روشن ہوتا ہے اور جب اس نور سے خود ان کی اپنی بصیرت روشن ہو گئی تو پھر قطب الوجود بن کر کار جہاں کی طرف لوٹے مگر ان کی کار گاہ عمل پھر وہی علمی دنیا تھی جسے چھوڑ کر وہ روشن ضمیری کی جستجو میں نکلے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے بزرگ صوفیوں سے مشورہ بھی کیا تھا اور سب کی صلاح بھی یہی ٹھہری کہ اب انہیں خلوت سے نکل کر رُشد و ہدایت کا کام کرنا چاہیئے بلکہ انہیں اشارۃً" بتایا گیا کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں اور تجدید دین کا کام ان کا منتظر ہے۔

چنانچہ حکومت کی طرف سے درس و تدریس کا منصب سنبھالنے کا حکم ملا تو ارشاد ایزدی سمجھ کر قبول کیا۔ کچھ عرصہ بغداد میں پند و وعظ کرنے کے بعد نیشاپور آ

Marfat.com

گئے اور وہاں مدرسہ میمونہ نظامیہ میں درس دینے لگے۔ پھر اسے بھی چھوڑا' اپنے گھر طوس چلے آئے گھر کے پاس ہی "ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں مرتے دم تک ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے علوم کی تلقین کرتے رہے"۔

امام صاحب نے تصنیفات و تالیفات کا سلسلہ جاری رکھا۔ "احیاء العلوم" کی مخالفت ہوئی۔ جہاں انہوں نے علماء کرام اور مفتیان عظام کی اصلاح کے لئے کچھ لکھا تھا' وہ اس گروہ کو ناگوار گذرا۔ کئی جگہوں پر اس کتاب کے نسخے جلائے گئے۔ بادشاہوں کے پاس بھی شکایت ہوئی مگر امام صاحب کو کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ انہوں نے جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا اور ہر حال میں آخر دم تک مواعظ' تصنیفات اور مکتوبات کے ذریعہ اصلاح و ارشاد خلق کا کام جاری رکھا۔

ایک بار اس دور کے وزیر اعظم نے خط لکھ کر کوشش کی کہ امام صاحب پھر مدرسہء نظامیہ بغداد میں درس دینا شروع کریں مگر امام صاحب نے انہیں جواب دیا کہ اب وہ وہاں ہیں جہاں سے انہیں یہ مرتبہ اور کام بہت پست نظر آتا ہے۔ جواباً آخر میں وزیر اعظم کو کچھ نصائح کیں اور معذرت کرلی۔

"طوس میں اس زمانے میں اپنے قیام کے دوران میں امام صاحب نے اپنے اوقات کو اس طور پر بانٹ رکھا تھا جس سے وہ اپنی اور اپنے آس پاس میں لوگوں کی ضروریات کو بہترین انداز میں پورا کر سکیں۔ انہوں نے اپنے تئیں تلاوت قرآن' از سر نو مطالعہء حدیث' اللہ والوں سے میل جول' تدریسی کام اور عبادات کے لئے اس طرح وقف کر رکھا تھا کہ ان کا یا ان کے ساتھیوں کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو۔ اب وہ عشق الٰہی میں محو' آہستہ رو موت کے لئے اطمینان کے ساتھ منتظر تھے۔

ایک تذکرہ نگار کے بیان کے مطابق امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی آخری دن سکون کے ساتھ انتظار کرتے ہوئے بسر کئے "یہاں تک کہ ان کا وقت آن پہنچا اور ایام نے وہ تحفہ واپس لے لیا جو ان کی نسل کو عطا کیا گیا تھا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اپنے حضور میں بُلا لیا"۔

حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ نے ۵۰۵ ہجری میں بمقام طابران انتقال فرمایا اور

Marfat.com

وہیں فردوسی کی قبر کے نزدیک مدفون ہوئے۔ ان کے صُوفی بھائی احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ کو بتایا کہ "پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے اور وضو کیا۔ نماز پڑھی' پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا: آقا کا حکم سر آنکھوں پر' یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا"۔

ان کی وفات پر کئی شعراء نے مرثیے لکھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابوالعباس احمد بن ابی الخیر یمنی المعروف بہ سید نے کشف میں دیکھا کہ وہ بہشت کے کھلے دروازوں میں بیٹھے ہیں اور فرشتوں کا ایک گروہ سبز رنگ کے خلعت لئے زمین کی طرف اتر رہا ہے۔ ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا ان کے پاس ہے۔ وہ کسی مقبرے پر اترے اور صاحب مزار کو ایک چوتھائی قبر سے نکالا اور اسے خلعت پہنانے کے بعد گھوڑے پر سوار کرا دیا اور آسمانوں کی طرف چڑھنے لگے حتیٰ کہ وہ سات آسمانوں سے گذر گئے۔ پھر وہ سوار ان سے بھی آگے بڑھ کر سات پردوں سے پار چلا گیا۔ العباس کہتے ہیں کہ میں اس پر حیرت زدہ رہ گیا اور میں نے جاننے کی خواہش کی کہ وہ سوار کون تھا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ الغزالی رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور اس وقت تک مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ وصال پا چکے ہیں۔

امام صاحب کی اولاد میں صرف چند لڑکیاں تھیں' شاگرد کثرت سے تھے جن کی فہرست بہت طویل ہے' ان میں سے بعض نے ان کے متعلق اپنی آراء بھی قلمبند کیں جن کی بدولت آج انکی شخصیت کو جاننے اور سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ ان کے ایک شاگرد ابوسعید بن یحییٰ نیشاپوری نے لکھا کہ ان کے آقا امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت اور علم کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خود تکمیل دانش کر چکا ہو یا کم از کم قریب پہنچ چکا ہو۔

ان کے ہم عصر علماء اور مفکرین میں سے کچھ ان کے مخالف تھے ' جیسے ابوعبداللہ قاضیء اندلس' ابن الرشد' ابن الجوزی وغیرہ۔ مگر ان کو چھوڑ کر ان کے مداحوں اور عقیدت مندوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ ان کے مخالفین کے نام تو تاریخ کے ایک دور میں محدود ہو کر رہ گئے مگر امام غزالی حجتہ الاسلام کے لقب کے ساتھ آج

Marfat.com

بھی دین و تصوف کی دنیا میں زندہ و تابندہ ہیں۔

مارگریٹ سمتھ نے امام غزالی کی شخصیت اور کردار کو اجاگر کرنے کے لئے ایک الگ باب مختص کیا ہے جس میں ان کی تحریروں کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ایک آشنائے روزگار صوفی بزرگ تھے۔ ان کی معلومات اپنے دور کے مشاغل تفریحی کے بارے میں بھی بہت وسیع تھیں کیونکہ وہ مختلف شعبہء زندگی سے اس طرح تماثیل و تشبیہات چنتے ہیں کہ کوئی نہایت واقف کار شخص ہی ایسا کر سکتا ہے حتیٰ کہ جانوروں' چرندوں' پرندوں' شطرنج' شکار' گھوڑ سواری وغیرہ کے متعلق وہ خوب جانتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمام خوبیاں جو انہوں نے صوفیاء کرام کے کردار کی بیان کی ہیں' وہ سب ان میں موجود تھیں۔

تزکیہء اخلاق اور تجلیہء قلب کے بارے میں انہوں نے تقریباً" وہی باتیں لکھی ہیں جو قدماء اور خود ان کے نزدیک مجرب تھیں مثلاً ابتدائی طور پر وہ طمع سے نجات' محنت و مشقت اور راہ سلوک میں نرم روی اور استقامت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ پھر راہ خدا میں خلوت' خاموشی' صوم و شب بیداری کے ذریعہ استعانت کی تاکید کرتے ہیں۔

ان کی رائے میں "مرد خدا صرف خلوت میں ہی حق سبحانہ تعالیٰ کی تسبیح کر سکتا اور حق کی آواز سن سکتا ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ خود اس کا تجربہ کر چکے تھے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ سچ بات ہے"۔۔۔۔۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ وساوس شیطانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آدمی تمام علائق سے منہ موڑے' اہل و عیال' مال و دولت' مرتبہ و منصب اور دوست آشنا سے الگ ہو جائے۔ پھر ایک حجرے میں جا بیٹھے اور کم از کم خوراک پر قانع رہے۔ لیکن یہ سب بھی اس وقت تک کافی نہ ہو گا جب تک کہ اس کے سامنے صرف ایک مقصد نہ رہ جائے اور وہ ہے خدا یابی۔ یہ بھی ہو جائے تو کافی نہیں جب تک کہ وہ باطن کی گہرائیوں میں ارض و سما کی بادشاہت' قدرت کی صنعت گری اور ان ذرائع کے

Marfat.com

بارے میں مراقبات نہ کرے جو براہ راست قرب الٰہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ تب اور صرف تب خلوت نشیں صوفی شیطانی آرزوؤں سے آزاد ہو سکے گا۔

ذکر و عبادت پر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بہت زور دیا ہے اور نماز کی روح کو پا لینے کے لئے نیت' خشوع و خضوع' خلوص اور حضوریء قلب کو وہ ضروری سمجھتے ہیں۔ نماز کو باطنی حقیقت سمجھ کر ادا کرنے کے لئے قلبی توجہ' روحانی فہم' خوف و رجاء' ندامت' عقیدت کا ہونا بھی بہت اہم ہے۔

خلوت میں عبادات و مناجات کے بعد مرد راہ کو آخر کار عام انسانیت کی طرف ہی لوٹ کے آنا پڑتا ہے لیکن اب وہ قلبی و روحی واردات اور وجدان و الہام سے بہرہ یاب ہونے کے بعد اعلیٰ درجے کی خدمت کے قابل ہوتا ہے اور وہ خدمت ہے: خلق خدا کی روحانی رہبری---- رشد و ہدایت۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ خود اسی طرح ہر طرف سے گھوم پھر کر' ہر قسم کے علمی و ذہنی و روحانی تجربات کی دولت سمیٹ کر طوس میں آکر بیٹھ رہے اور لوگوں کو اللہ کا قرب پانے کے لئے راہ دکھاتے رہے۔

کسی کو نصیحت کرتے ہوئے ایک جگہ فرمایا ہے: "صوفی ہونے کا مطلب ہے' ہر وقت اللہ کی یاد میں اور اس کے بندوں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنا۔ جو ایسا کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ ہمیشہ مہربانی کرتا ہے' صوفی ہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مثبت رویہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہش کی تعمیل میں تم اپنا بوجھ دوسروں پر مت لادو بلکہ ان کی خواہش کے مطابق ان کا بوجھ اٹھا لو۔ ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ دوسرے تمہارے ساتھ کریں کیونکہ بندۂ خدا کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لئے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے"۔

مارگریٹ سمتھ نے متعلقہ باب کو بہت موزوں الفاظ کے ساتھ ختم کیا ہے:

"پس الغزالی رحمتہ اللہ علیہ نے زمین پر اپنے آخری سال دوسروں کو وہ راہ دکھانے کے لئے وقف کر دیئے جس راہ سے وہ خود علم و قرب الٰہی تک

Marfat.com

پہنچے تھے"۔

امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ذاتی تجربات کا حال بیان کرنے کے بعد مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی انہیں اسی طرح خراج تحسین پیش کیا ہے: "ان کی ابتدائی زندگی کے انہی تجربات نے دینی زندگی کے لئے ایک ایسے نظام کے پیش کرنے کے قابل ان کو بنا دیا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ڈوبتوں کو ابھرنے کا موقعہ امام صاحب کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی سینکڑوں سال سے مل رہا ہے"۔

اب ان کی تعلیمات بہت سادہ نظر آتی ہیں کیونکہ وہ علم تصوف کی رگ و پے میں جاری و ساری ہو چکی ہیں مگر اس دور میں ابھی تک اس قدر علمی لیکن سہل انداز میں کسی نے تصوف کا جائزہ نہ لیا تھا اور اس کی تعلیم کو نہایت قابل فہم انداز میں پیش نہ کیا تھا۔ ان کی تصنیفات منظر عام پر آنے کے بعد قارئین تصوف ان سے پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں سے بے نیاز ہو گئے۔

انہوں نے حلقہء تصوف میں سب سے پہلے آنے والے کو "مرید" کہا۔ جب وہ کچھ چل پڑے تو اسے "سائر" بتایا اور جب اس نے معرفت حاصل کر لی تو اسے "واصل" کا لقب دیا۔

مرید پہلے مادی دنیا سے گزرتا ہے' جسے وہ عَالمِ المُلک و الشَہادَۃ کہتے ہیں۔ یہاں مادی علائق کا ترک اور تزکیہء نفس مطلوب ہے۔ پھر وہ عالم جبروت میں داخل ہوتا ہے جو قدوسی قوت کا جہان ہے۔ یہاں اسے اپنی منزل صاف نظر آنے لگتی ہے۔ اس سے آگے عالم ملکوت ہے جو روح پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے آگے عروج ہی عروج ہے--- آخر میں صوفی واصل اور باقی باللہ ہو جاتا ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کی اہمیت کے بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے بہت سے حوالے فراہم کرنے کے بعد ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے: "بہرحال میں اسلام کی چھٹی صدی جسے میں امام غزالی کی صدی کہتا ہوں' مسلمانوں میں ہر طبقہ میں' عوام ہوں کہ خواص ہوں' خلفاء ہوں یا سلاطین و وزراء ہوں یا صوفیاء ہر طبقہ میں ایسی ہستیاں نمایاں نظر آتی ہیں جن کو دیکھ کر اوروں کو نظر آتا ہو نہ آتا ہو'

Marfat.com

لیکن اضطراراً میرا ذہن امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کی مخلصانہ کوششوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ نتائج تلقینِ غزالی سے کسی نہ کسی حیثیت سے متاثر ہیں"۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات نے ان کے بعد آنے والے تمام اہل علم و معرفت یعنی صوفی مفکرین اور مشائخ طریقت کو خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر حضرت زین الدین عراقی رحمتہ اللہ علیہ اور مصر کے عالم صوفی حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ تک سب ان سے متاثر ہوئے۔ "چنانچہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا اثر عالم اسلام کے طول و عرض میں محسوس کیا گیا اور صاحب قلم فقہاء و صوفیاء برابر ان سے مستفید ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کی کتب مغربی افریقہ سے لے کر بحرالکاہل کے جزائر تک پڑھی جاتی رہی ہیں اور پڑھی جا رہی ہیں"۔ 1

مارگریٹ سمتھ نے بڑے فاضلانہ انداز میں غیر اسلامی سری و فکری روایات پر حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے اثر کو ثابت کیا ہے۔ قرون وسطیٰ کے عیسائی اور یہودی سری مسالک کے پیشواؤں سے لے کر سترہویں صدی کے فرانسیسی پاسکل تک سب نے ان سے اثر قبول کیا۔

کتاب کے اخیر میں موصوفہ نے تصوف میں حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے مقام کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے: "تاریخ تصوف میں الغزالی رحمتہ اللہ علیہ کا مقام ایک ایسے مفکر کا ہے جس نے اس کے نظریات کو منظم کیا اور ان کو صفائی اور موزونیت عطا کی اور اپنے گہرے رسوخ کے ذریعہ تصوف کو اس کے بعد اسلام میں ایک لاینفک اور قوی عنصر کے طور پر قبول کئے جانے کے قابل بنا دیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ تصوف کے ذریعہ لوگوں کو حصول علم الٰہی کی طرف لائیں۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ سچے دین کو ہمیشہ ذاتی واردات و تجربات کا حامل ہونا چاہئے۔ چونکہ ان کی تعلیم واضح

Marfat.com

طور پر ان کے اپنے روحانی تجربات کا نتیجہ اور ان کی اپنی باطنی زندگی کا عکس تھی۔ اس لئے ان کی رہبری کو تسلیم کیا گیا اور لوگ ان کو صوفیائے عظام اور اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک' نیز وارث علوم نبوی ﷺ شمار کرتے تھے اور ان کی تصنیف "احیاء العلوم" کو تفسیر قرآن قرار دیتے تھے"۔

حضرت امام ابوحامد محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ بلاشبہ علامہء کبیر اور حجتہ الاسلام تھے' تمام علوم متداولہ میں ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ پرانی آسمانی کتابوں پر ان کی نظر تھی' نوفلاطونی فلسفہ کا انہیں ادراک تھا' اخوان الصفاء کے رسائل سے وہ واقف تھے۔ صوفیاء کرام کے علم و معرفت کو تو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا کیونکہ حضرات حارث معاسی' ابوطالب مکی' بایزید بسطامی' جنید' شبلی' ابوالقاسم القشیری' علی بن عثمان الہجویری' عبدالرحمٰن سلامی نیشاپوری رحمہم اللہ علیہم کے اقوال اور ان کی کتب کے حوالے ان کی تصنیفات و تالیفات میں جا بجا ملتے ہیں۔

جب انہوں نے اصلاح علوم و احوال کی طرف توجہ دی اور کار عظیم کی سرانجام دہی پر متوجہ ہوئے تو اس تعلیمی و علمی پس منظر کے باوجود ان کے سارے علوم حلقہء تصوف میں آکر یکجا ہو گئے۔ اب ان کی تحریر و تقریر خالصتاً" اسلامی روح تصوف کی حامل تھی۔ ان کی سوانح نگار مستشرق نے بجا طور پر لکھا ہے: "ان کی تعلیم ایک محقق' ایک فلسفی اور ایک عالم دین کی تعلیم ہے۔ ان کا تصوف عقلی اور فلسفیانہ نوعیت کا ہے کہ جہاں وہ ان کے دانش ور قسم کے قارئین کو متوجہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے وہاں وہ اپنے خلوص اور مانوس تمثیلوں کی وجہ سے عوام کے لئے بھی برابر طور پر قابل فہم ہے۔ ان کا بڑا مقصد یہی تھا کہ وہ فقہی اسلام اور سری تعلیم کو جو اس زمانے میں خاصی پھیل چکی تھی' آپس میں ملائیں۔ اس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی اور اپنا وقت وقف کر دیا اور تصوف کو فقہی اسلام کے درمیان ایک مستحکم مقام دلانے میں کامیاب ہو گئے"۔

مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "مسلمانوں میں جو دو گروہ ارباب ظاہر و باطن یا حکماء و متکلمین کے نام سے موجود ہیں' امام صاحب ہی کے

Marfat.com

خیالات کی تصویر کے دو رخ ہیں"۔

تصنیفات و تالیفات

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کثیر التصانیف صوفی عالم ہیں۔ انہوں نے تیس پینتیس سال کی قلیل مدت میں فقہ، منطق، فلسفہ، کلام اور تصوف و اخلاق پر کم و بیش ۷۸ کتب لکھیں جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔

فلسفہء کلام میں ان کی "مقاصد الفلاسفہ" اور "تہافتہ الفلاسفہ" اس علم کے ماہرین کے نزدیک اب تک قابل قدر ہیں۔ تصوف و اخلاق پر "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" مقبول عام کتابیں ہیں۔

"احیاء العلوم" میں امام صاحب نے تزکیہء اخلاق کے بارے میں نفسیاتی تجزیہ کا طریق اختیار کیا اور اپنی اصلاح کے درپے ہونے والے مرد مسلمان کو عملی مشوروں سے نوازا۔

متقدمین نے "احیاء العلوم" کی بہت تعریف کی۔ ان کے ایک ہم مکتب دوست ابوالحسن عبدالغافر فارسی جو اپنی جگہ پر خود ایک بہت بڑے عالم تھے، لکھتے ہیں:

"احیاء العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی"۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ شارح صحیح مسلم نے رائے دی کہ:

"احیاء العلوم قرآن مجید کے لگ بھگ ہے"۔

شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ احیاء العلوم کو کعبہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں اور کئی خلاصے بھی تحریر کئے گئے۔

اگرچہ مخالفت بھی ہوئی۔ اس کے بعض مضامین اور گروہ علماء پر تبصرے ناپسند کئے گئے مگر یہ مخالفت حسد و رقابت کی ڈھول ثابت ہوئی اور احیاء العلوم کی مقبولیت بڑھتی چلی گئی۔

Marfat.com

مولانا شبلی نے فرمایا ہے: "امام صاحب نے فلسفہ و مذہب دونوں کو ترتیب دے کر احیاء العلوم تصنیف کی جس نے تمام نقص پورے کر دیئے اور وہ مقبولیت حاصل کی کہ ایک طرف تو ائمہء اسلام اس کو الہامات ربانی سمجھے' دوسری طرف ہنری لوئیس نے تاریخ فلسفہ میں اس کی نسبت یہ لکھا ہے کہ' اگر ڈیکارٹ کے زمانہ میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہو چکا ہوتا تو ہر ایک شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے"۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے تو طریقہء غزالیہ کے "دنیا گریز رجحان" پر تنقید کی جو انہیں امام صاحب کی تعلیمات میں نظر آیا مگر مولانا شبلی اس کی پہلے ہی تردید کر چکے تھے: "ان کے اصول کے موافق اخلاق کی تعلیم اختلاف طبائع کے لحاظ سے ہونی چاہیے۔ جس شخص کا مذاق قدرتی طور پر معاشرت پسند واقع ہوا ہے اس کو ہرگز مجرد اور ترک تعلقات کی تعلیم نہیں کرنی چاہیے بلکہ معاشرت کے وہ اصول اور قواعد بتانے چاہئیں جس کے ذریعہ سے اس سے وہ نیکیاں ظہور میں آئیں جو معاشرت کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً صلہء رحم' حاجت روائی خلق' ہدایت عام۔ اسی طرح جس کا مزاج قدرتاً" تجرد پسند ہے اس کو ہرگز معاشرت کی ہدایت نہیں کرنی چاہیے بلکہ گوشہ گری اور ترک تعلقات ایسے اصول سکھلانے چاہئیں جن سے وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہونے پائے"۔

"کیمیائے سعادت" دوسری اہم کتاب ہے۔ شروع میں ہی وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اس شخص کے لئے کیمیا ہے جو انسانیت کی آخری منازل تک پہنچنا چاہتا ہے۔ "اس کیمیا کا مقصد یہی ہے کہ بری باتیں جو نہ ہونا چاہئیں' ان سے آدمی الگ رہے اور صفاتِ حسنہ کو حاصل کرنا سیکھے اور سب سے اچھی کیمیا یہ ہے کہ بجائے دنیا کے خدا سے لو لگائے' جیسے کہ ہمارے رسول ﷺ کو خداوند عالم نے تعلیم دی"۔

دراصل "کیمیائے سعادت" میں امام صاحب نے اسلامی اسلوب حیات کے نہ صرف اصول بیان فرمائے ہیں بلکہ عملی ہدایات بھی لکھ دی ہیں۔ کردار سازی بلکہ روح سازی کے بارے میں پورا نصاب لکھ دیا ہے۔ شروع یہاں سے کیا ہے: "اے دوست

Marfat.com

سمجھ لے! کہ اپنے نفس کو پہچاننا معرفت الٰہی کی نشانی ہے"۔

"کیمیائے سعادت" میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب معرفت کے حصول کی تدبیرات علمی و عملی پر مشتمل ہے۔ "اور معرفت محبت ہی کے نتیجے سے پیدا ہوتی ہے"۔

کامل شخص سعید ہے: "اب سعید وہ شخص ہو گا جس نے دنیا میں اس کی معرفت کے ماتحت تمام عادات اختیار کی ہوں اور انہیں عادات کا نام محبت ہے"۔

سعادت کی انتہاء رضائے الٰہی ہے۔ عشق الٰہی میں مخمور سعید شخص "دنیا کے تمام مصائب و ابتلاء اور محنت و مشقت پر راضی رہتا ہے اور اس کا ہر حکم مانتا ہے"۔

موت کے منازل کے بیان پر کتاب ختم ہوتی ہے: "اب ہم موت کے بیان پر ہی اپنی کتاب کو ختم کر رہے ہیں اور امید ہے کہ برادران اسلام اس کا مطالعہ کر کے فائدہ حاصل کریں گے اور ہم کو دعا خیر سے یاد کریں گے"۔

"کیمیائے سعادت" کی ایک ادبی حیثیت بھی ہے۔ جہاں "احیاء العلوم" امام صاحب کی عربی دانی کا شاہکار ہے، وہاں "کیمیائے سعادت" فارسی نثری ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔ بعض نے انہیں ان کے اسلوب نثر کی بناء پر "بزرگ ترین پیشوائے ادب" کہا ہے۔ ایک نقاد نے ان کے بھائی احمد غزالی کو بھی شامل کرتے ہوئے لکھا ہے: "امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ و برادرش احمد از جملہ کسانے اند کہ در نثر فارسی انقلاب انداختہ اند" (امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے بھائی احمد ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نثر فارسی میں انقلاب پیدا کر دیا) مرزا محمد تقی بہار نے بڑا جامع تبصرہ کیا ہے: "کیمیائے سعادت کتابی است در علم دین و اخلاق کہ یک جہان دانش و علم و حکمت را در قالب عبارات مختصر ریختہ است"۔ (کیمیائے سعادت علم دین و اخلاق میں ایک ایسی کتاب ہے کہ علم و دانش اور دانائی کا ایک جہاں مختصر عبارات کے قالب میں ڈال دیا گیا ہے)

اب آخر میں یہ ذکر بھی کر دیا جائے کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ شاعر بھی تھے:

کس را پسِ پردۂ قضا راہ نشُد — وز سرِّ قدر ہیچ کس آگاہ نشُد
ہر کس ز سرِ قیاس چیزے گفتند — معلوم نگشت و قصہء کوتاہ نشُد

باجامہ نمازے بسر خم کردیم — وز آبِ خرابات تیمّم کردیم
شاید کہ دریں میکدہ ہا دریابیم — آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

Marfat.com

طریقہء غزالیہ

طریقہء غزالیہ کا دراصل کوئی الگ منفرد سلسلہ نہیں ہے۔ حضرت امام غزالی ان اساتذۂ تصوف میں سے ہیں جن کی تعلیم اور اس کا نصاب سب طریقوں میں اس طرح مرکب ہو گیا کہ اس کی الگ تمیز مشکل ہو گئی اور کسی الگ سلسلہ کی بناء ڈالنا ان کا مقصد بھی نہ تھا۔

اب جو باتیں ہمیں تصوف کے تمام طرق میں حسب دستور و معمول نظر آتی ہیں' ان کو منضبط انداز میں پیش کرنے والے پہلے معلم امام ابوحامد محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ تزکیہء اخلاق پر زور' ترکِ علائقِ دُنیا (جسے بعض نقادوں نے "دنیا گریز رُجحان" سے تعبیر کیا)' ذکر و عبادت میں انہماک' قرآن و حدیث کی دعاؤں کی تکرار' ان سب کی اہمیت اپنے مقبول و مرغوب اسلوب کے ذریعہ ترتیب کے ساتھ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ہی بیان فرمائی۔

سب سے پہلے انہوں نے ہی اس بات پر زور دیا کہ "صفائی قلب---- وہ واحد ذریعہ جس سے صوفی قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے--- زہد اور ترک علائق سے انجام پذیر ہوتی ہے تاکہ دل ان بندھنوں سے آزاد ہو جائے' جنھوں نے اسے اس دنیا سے وابستہ کر رکھا ہے اور خودی سے خالی ہو کر فراغت کے ساتھ روحانی عوالم کے خیال میں محو ہو سکے' یہاں تک کہ یہ اللہ کا گھر بن جائے"۔

طریقہء غزالیہ کی بڑی خصوصیت وہی ہے جس کی طرف مولانا مناظر احسن گیلانی نے اشارہ فرمایا ہے یعنی انہوں نے مدرسہ اور خانقاہ کو ملا دیا اور ملائیت اور صوفیت کو متحد کر دیا۔ "علماء کے طبقے سے تعلق رکھنے والے حضرات میں صوفیوں کی جانب سے گونہ گرانی پائی جاتی تھی اور یہی حال صوفیوں کا تھا۔ حجتہ الاسلام امام غزالی کی تعلیمات نے ان دونوں طبقوں کو ملا دیا"۔

Marfat.com

معروف صوفی دانشور سید ادریس شاہ بھی یہی فرماتے ہیں: ""تصوّف کے مُسلمہ مقام کو جو بہت سے مسلمان علماء اسلام کے باطنی مفہوم کے طور پر قبول کرتے ہیں تو یہ غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم ہی کا براہ راست نتیجہ ہے""۔

آج ہمارے ہاں بریلوی علماء کے مدرسوں میں فقہ و تصوف یکساں مستحق توجہ نظر آتے ہیں یا علمائے دیوبند میں تصوف کا ذوق پایا جاتا ہے تو یہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا ہی فیض ہے۔

خواہ وہ باطنی طور پر کسی طریق سے منسلک ہوں مگر شریعت و طریقت کی یکساں اہمیت کے بارے میں ہمارے کئی علماء و مشائخ کا رویہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیقی و اصلاحی مساعی کا مرہون منت ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ' حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے صوفی علماء بلکہ کئی وہابی متصوفی تک اس امر کی نمایاں مثال ہیں---- یہی طریقہء غزالیہ ہے جس کا فیض نا محسوس طریقہ سے تمام طرق میں ایک لاینفک عنصر کے طور پر جاری ہے۔

Marfat.com

شجرۂ طریقہ غزالیہ

ویسے تو حجتہ الاِسلام اِمام ابوحامد محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک بے سلسلہ بزرگ ہی کہنا چاہئے کیونکہ وہ بہت بزرگوں کے ہاں گئے اور فیض پایا لیکن اگر ان کا پہلا باقاعدہ شیخ طریقت حضرت بوعلی فارمدی رحمتہ اللہ کو مانا جائے تو پھر وہ چونکہ امام ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے تو ان کے ساتھ ان کا سلسلہ جوڑا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ان کی نسبت بیان کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے امام صاحب کا شجرۂ طریقت طریقہء خواجگان کے بزرگوں سے مل جاتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ حجتہ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک ایسا روشنی کا مینار سمجھنا چاہئے جس کی روشنی آگے پیچھے ہر طرف جا رہی ہے۔ اگر روشنی کی کوئی جہت متعین کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا ذوق ہے۔

Marfat.com

مَاخذ

(جن کُتب سے حوالے نقل کئے گئے)

1:- Al-Ghazali___ The mystic by Margaret Smith-1983
Hijra International Publishers,Lahore.

2:- الغزالی -- علامہ شِبلی نعمانی۔ نیشنل بُک فاؤنڈیشن۔ اِسلام آباد

3:- مقالاتِ احسانی ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ادارۂ مجلس علمی، کراچی

4:- کیمیائے سعادت۔ ترجمہ نائب نقوی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

5:- احیاء العلوم

6:- حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی بعض دیگر کتب

7:- "کیمیائے سَعادت کا علمی و ادبی منظر نامہ" رسالہ سہرورد۔صفحہ ۳۷۔ لاہور، سلسلہ ۹

○○○

Marfat.com

شمع بہار

(ب)

شیخ الاکبر

محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ

طریقۂ اکبریۂ

Marfat.com

Marfat.com

شیخ الاکبرؒ

حضرت محیّ الدّین ابنِ عَربی رحمتہ اللہ علیہ

چھٹی صَدی ہجری کے نِصف دوم میں مشرقی اِسلامی ممالک کی تاریخ میں ابھی تک متضاد قُوتیں برسرپیکار تھیں۔ بغداد میں عباسی خلیفہ المستنجد باللہ حکمران تھا۔ اِردگرد سَلاطین سَلاجقہ کا غلبہ تھا۔ صلیبی جنگیں ایک نقطے پر پہنچ کر اپنا جوش و خروش کھو رہی تھیں کیونکہ صَلیبی جنگجوؤں کو سُلطان صَلاح الدّین ایُوبی پسپا کر چکا تھا۔ المغرب میں بھی حالات کو اِستقلال نہ تھا۔ حکومتیں ڈانواں ڈول تھیں۔ حکمرانوں میں اقتدار کے لئے قوت آزمائی جاری تھی۔

مگر اللہ نے تاریخ کے اس نقطے پر پے در پے دوؔ ایسی رُوحانی شخصیتوں کو مبعوث کیا جن کا وجود نہ صرف اپنے زمانے کے لئے باعث یمن و برکت تھا بلکہ آئندہ زمانوں میں ان کے فیض روحانی اور علوم معرفت کا اثر و نفوذ اس سے کہیں زیادہ علماء و عرفاء کے لئے اَز دیاد علم و ایمان کا سبب بنا جو ان کے تاریخی ظہور کی مدت میں دیکھنے میں آیا تھا۔

ایک تھے حضرت شیخ عَبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ جنہیں تمام اولیاء اللہ نے "غَوث الاعظم" تسلیم کیا۔ وہ جب ۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء میں واصل بحق ہوئے تو دوسرے بڑے قوّی التاثیر شیخ ان کی دعا سے ایک سال قبل ۵۶۰ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔ (ایک روایت کے مطابق حضرت شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے والد بغداد میں حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور نرینہ اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی تھی۔ حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نے دُعا فرمائی اور ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے) یہ تھے محمّد بن علی بن محمّد ابن العربی الطائی الحاتمی رحمتہ اللہ علیہ جنہیں مشائخ ماضی و حال نے شیخ الاکبر، محیّ الحقّ والدّین اور دیگر بہت سے

Marfat.com

القابات سے نوازا اور جنہوں نے خود اپنا مقام خاتم الولایت (ولایتِ مکاشفات و اسرار) بیان فرمایا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے بلند بانگ دعاوی اور اشتہار کرامات کے بغیر محض علمی طور پر اس قدر روحانی احوال و مقامات اور وجدانی افکار کی نشاندہی کی کہ صوفیاء کرام میں شاید ہی اور کوئی ایسا نہ کر سکا اور اگر کسی باہمت صوفی نے ایسا کیا تو اس کے لئے بھی شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ نے ہی آگے کے لئے راہ ہموار کی تھی۔ ان کی وضع کردہ اصطلاحات اور علامات و رموز بلکہ لفظی تراکیب تک علم فقر و تصوف کے بیان کا جزو لاینفک بن گئیں۔

شیخ الاکبر محیّ الدّین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ اُندلس (سپَین) کے شہر مرسیہ میں ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو نہ صِرف عِلم و فضل اور فَقر و تصوّف میں ممتاز تھا بلکہ اس کے افراد حکومت میں بھی دارائے منصب و عزت تھے۔

جب ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ آٹھ سال کے تھے تو ان کا خاندان شاید حکومت تبدیل ہو جانے کی بناء پر اشبیلیہ منتقل ہو گیا جہاں پر المُوحد حکمران ابویعقوب یوسف نے اس کی سرپرستی کی۔ حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی تعلیم یہیں اشبیلیہ کے مدرسوں میں شروع کی اور یہیں کے اساتذہ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کر کے متداول علوم میں تکمیل تعلیم کی۔

ابتدائے ایّامِ جوانی کا دور "نغمہ و شعر اور عیش و طَرب" میں گزرا۔ جس میں شکار جیسے مشاغل بھی شامل تھے۔ بعد میں وہ اسے اپنا دورِ جاہلیت کہتے تھے مگر اکیس سال کی عمر میں وہ نہایت عزم کے ساتھ سلُوک و تصوّف کی دُنیا میں داخل ہوئے۔ اس تبدیلیء احوال میں یقیناً ان کے خاندان اور گھر کا ماحول بھی ان کے لئے مُمِد ثابت ہوا ہو گا۔ کیونکہ ان کے خاندان کے کئی افراد صُوفی المشرب تھے اور خود ان کی بیوی مریم بنت محمد بن عبدون بھی اس طریق میں ان کے ہمراہ تھیں۔ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کسی کتاب میں ایک موقع پر ان کی روحانی کیفیت کا حوالہ دیا ہے۔

روحانی طریق اپنانے کے بعد انہوں نے حیرت انگیز طریقے پر فکری و وَجدانی توازن کو برقرار رکھا بلکہ درحقیقت ان کا بہت بڑا کارنامہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے

Marfat.com

اپنے دور کے تمام علوم کا نچوڑ اور مرکّب تصوّف اور سلوک کے شعبہ میں لاکر رکھ دیا۔ علوم دین یعنی فقہ' تفسیر' حدیث کے عالم متبحّر تو وہ تھے ہی' دیگر علوم مثلاً فلسفہ' علم النفس' نجوم' ہیئت' فلکیات یہاں تک کہ رمل و جفر بھی ان کی دسترس سے باہر نہ تھے اور ان کا کمال یہ ہے کہ اپنے کسی بھی نظریہ یا رائے کی تائید کے لئے وہ کہیں بھی موزوں دلیل چن سکتے اور مخالف کے سامنے حتی الوسع قابل قبول صورت میں پیش کر سکتے تھے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ بزرگ جو لکھنے پڑھنے سے شغف رکھتے ہیں' ان کی کشفی صلاحیتیں کند ہو جاتی ہیں یا جو درسی علوم میں منہمک رہتے ہیں' انہیں اسرار کا ادراک نہیں ہو پاتا مگر حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ یہ امر مخصوص ہے کہ وہ جتنے بڑے عالم اور مفکر تھے' اتنے ہی بڑے صاحب کشف و حال بزرگ تھے' حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ ان کی ولایت مکاشفات و اسرار کے اظہار و ابلاغ کے لئے مخصوص تھی۔

جادۂ تصوّف پر گامزن ہونے کے ساتھ ہی وہ ایک عارف کی حیثیت سے خاصی شہرت اختیار کر گئے۔ یہاں تک کہ کبر سن فلسفی ابن الرشد نے ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان کے والد کی معرفت یہ ملاقات طے پائی اور ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ قرطبہ میں ابن رشد کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ابن رشد بہت خوش ہوئے بغل گیر ہوتے ہی کہا: "واقعی؟" جب ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے "ہاں" کہا تو وہ بہت مسرور ہوئے مگر معاً بعد ابن عربی نے فرمایا: "نہیں"۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی ان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ پھر ابن رشد نے کھل کر پوچھا: "امر کو کشف و فیض الٰہی میں کیسا پایا؟ آیا امر وہی ہے جو ہمیں فکر و نظر نے عطا کیا ہے؟"۔ ابن عربی رحمتہ اللہ نے کہا: "ہاں اور نہیں۔ مگر ایسی ہاں اور نہیں کے درمیان روحیں جسموں سے اور گردنیں دھڑوں سے اڑ جاتی ہیں"۔ یہ جواب سن کر ابنِ رُشد پر لرزہ طاری ہو گیا کیونکہ فکر و نظر اور کشف و شہود کے درمیان کے فاصلے کو وہ اچھی طرح سے جانتے تھے۔☆ (ص: ۱۸۴ پر ملاحظہ کیجیے)

Marfat.com

وہ مسند پر جیسے گر گئے اور دیر تک لَا حَولَ ولَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہ پڑھتے رہے۔ بعد ازاں ابن رُشد نے اقرار کیا کہ "یہ وہ حالت ہے جس کا امکان میں دلیل عقلی سے تو ثابت کر چکا تھا مگر کسی کو اس حالت میں دیکھا نہ تھا۔ الحمد للہ کہ میں نے ایسا زمانہ پایا کہ ان صاحبانِ حال میں سے ایک کو دیکھنا نصیب ہوا جو سربستہ رازوں کے قفل کھول دیتے ہیں' شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے ایسے کے دیدار کی توفیق بخشی"۔

حضرت ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اس ملاقات کے چند سال بعد ابن رشد کے جنازے کو اس حال میں دیکھا کہ ان کا تابوت ایک باربردار جانور پر ایک طرف لدا ہوا تھا اور اس کا توازن برقرار رکھنے کے لئے دوسری طرف اس عظیم مفکر کی کتب رکھ دی گئی تھیں—— ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں: "میرے لئے ابن رشد کی موت سامان عبرت و موعظت تھی"۔

اشبیلیہ میں ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دور کئی سالکین و عارفین اور مجاذیب و مجانین سے ملاقاتیں کیں۔ ان سے اکتساب فیض بھی کیا۔ ان کا ذکر انہوں نے کئی تصانیف میں کیا ہے۔ ویسے تو وہ ان سب کو اپنا شیخ کہتے تھے لیکن یہ سب ان کے مشائخ صحبت ہی تھے۔ دراصل ان کے شیخ طریقت تیونس میں واقع شہر بجایہ میں مقیم و معتکف شیخ ابومدین رحمتہ اللہ علیہ ہی تھے جن کے احوال و مقامات انہوں نے اکثر و بیشتر اپنے رسائل و کتب میں اپنے احوال کی تائید میں پیش کئے ہیں۔ انہیں "امام جماعت" اور "شیخ الشیوخ" کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے' حضرت ابومدین رحمتہ اللہ علیہ نے ہی انہیں معارف ظاہری و باطنی کے آشکار کرنے کا اذن دیا تھا۔

اشبیلیہ کی ایک کُٹیا میں ایک کبرسن وَلیہّ و عارفہ خاتون فاطمہ بنت ابن المثنّٰی رہتی

- ازص ۱۸۳ -

☆ (اقبال نے اس "ہاں اور نہیں" اور اس نفی و اثبات سے پیدا ہونے والے کرب کے بارے میں اپنی ذات کے حوالے سے بڑے خوبصورت انداز میں کیا خوب کہا ہے:

اِسی کشمکش میں گُذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رُومی' کبھی پیچ و تابِ رازی)۔

Marfat.com

تھیں۔ نوے پچانوے سال کی عمر کے باوجود ان کے چہرے پر تروتازگی کا یہ عالم تھا کہ بقول ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ ان کے چہرے پر نظر ڈالنے سے حیا آتی تھی۔ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ ان کی خدمت میں رہے اور ان سے فیض پایا۔ دوسری خاتون ام الزہراء رحمتہ اللہ علیہا تھیں' ان کو بھی انہوں نے نفس الرحمٰن کی تحقیق کرنے والے مشائخ صوفیاء میں شمار کیا ہے۔

راہِ طریقت پر آنے کے بعد جہاں انہوں نے مقامی صُوفیاء سے ربط و تعلق قائم کیا اور ان سے صحبت رکھی' وہاں وہ اب سفر پر بھی نکلنے لگے۔

۵۸۶ھ میں وہ مرشانہ گئے۔ جہاں وہ ایک اور ولیہ "شمس اُم الفقراء سے ملے' انہوں نے بھی ان پر بہت عنایات کیں۔

وہ جہاں بھی گئے' ان کے وَجد و حال میں کمی نہیں آئی۔ انہوں نے مشائخ کی زیارات کا سلسلہ تا عمر جاری رکھا۔ پرانے مقامات کو دیکھا اور عبرت حاصل کی۔ مثلاً قرطبہ کے قریب واقع شہرِ مدینۃ الزہراء سے گذرے تو اس کے کھنڈروں کو دیکھ کر یہ اشعار کہے:

اُن کے ماحولی آثار مِٹ گئے
مگر اُن کی یاد سینوں میں تازہ ہے۔
یہ ہیں اُنکے ٹھکانوں کے بقیہ نشانات اور یہ سارا ماحول جس میں ٹھکانے لگ گئے
جب بھی یاد آتے ہیں' جانیں پگھلنے لگ جاتی ہیں۔

اُس کے مکانات جوارِ غیب میں "دمک رہے ہیں۔
ان میں کوئی بسنے والا نہیں اور آثارِ حیات ان میں سے رخصت ہو چکے ہیں۔
پرندے ہر طرف سے گاہے ان پر نوحہ کرتے ہیں اور گاہ دم سادھے بیٹھے رہتے ہیں اور پھر کسی گھڑی دوبارہ نالہ کرنے لگتے ہیں۔

میں نے ان طائروں میں سے ایک کو مخاطب کیا جو حسرت زدہ اور اندوہ گین ہونے کے باوجود ہوش رکھتا تھا اور سُوجھ بُوجھ کہ تو کاہے پر نوحہ کر رہا ہے اور کس سے شکایت

Marfat.com

کر رہا ہے'۔

وہ بولا: "اس زمانے پر اور اس زمانے سے جو گذر گیا اور کبھی لوٹ کر نہ آئے گا"۔

انہوں نے غرناطہ' المریہ' ربتہ' تیونس' تلمسان' جزیرۂ طریف اور فاس کے سفر کئے اور کئی بار ان شہروں میں آئے گئے۔ اشبیلیہ میں بھی آتے رہے۔ یہاں کے تمام علماء و صوفیاء سے ملتے رہے۔

۵۹۸ھ میں وہ مکّہ آئے یہاں دوسرے صالحین و علماء کے علاوہ وہ ایک شیخ رستم اصفہانی سے ملے اور ان کے خاندان کے ساتھ ان کی راہ و رسم پیدا ہو گئی۔ ان کی ایک بوڑھی بہن اور بچّی نظام سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی نظام کے حُسن و خُوبی سے متاثر ہو کر انہوں نے ترجمان الاشواق کے عارفانہ الہامی اشعار و نغمات لکھے جو بعض فقہاء کی نظر میں اس وقت تک موردِ الزام ٹھہرے جب تک کہ خود ابنِ عربی نے ان کی عارفانہ نکتہء نظر سے شرح بیان نہیں کی۔

اسی قیام کے دوران میں شیخ الاکبر ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ضخیم کتاب "فتوحاتِ مکیّہ" لکھنی شروع کی جس کی ترتیب و تدوین ان کی عُمر کے آخری حصہ تک جاری رہی۔ نیز "حلیتہ الابدال" اور "روحُ القدس" جیسی تصانیف بھی مکمل کیں۔

۶۰۳ھ میں وہ مصر آئے' قاہرہ میں فُقہا نے ان کی مخالفت کی مگر وہ سکندریہ سے ہو کر دوبارہ مکہ چلے گئے اور پھر وہاں سے ایشیائے کوچک کی سیاحت کرتے ہوئے قونیہ جا پہنچے جہاں کے امراء و حکام نے ان کا استقبال کیا۔ سلطان نے ان کے لئے ایک پرشکوہ مکان کا اہتمام کیا جو بعد ازاں انہوں نے اپنے دادا حاتم طائی کی روایت فیاضی کو جاری رکھتے ہوئے کسی کو بخش دیا۔ یہاں بہت سے لوگ ان کے شاگرد و مرید ہوئے۔ خاص طور پر صدر الدین قونوی ان کے حلقہء ارادت میں آئے جو بعد ازاں ان کے پیروؤں میں سب سے بڑے شارح وحدۃ الوجود کے طور پر معروف ہوئے اور انہی کے ذریعے سے مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمتہ اللہ علیہ تک ان کی تعلیمات پہنچیں۔

قونیہ سے واپسی پر وہ بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

سے بھی ملے اور پھر حلب پہنچے اور دوبارہ قُونیہ گئے جہاں انہوں نے سُلطان کو فتحِ انطاکیہ کی بشارت دی۔

۶۲۰ھ میں وہ ساٹھ سال کی عمر میں اپنی سیر و سیاحت سے فارغ ہو کر دمشق میں مقیم ہو گئے۔ یہاں ان کی بہت تعظیم کی گئی۔ حکمران ان کے مرید تھے اور ہر طرف آسائش کے سامان ان کے لئے مہیا کئے گئے۔ "تاہم ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اس تمام آسائش و نعمت سے بہرہ مند ہونے کے باوجود اور اس ساری عزت و احترام کے باوصف پہلے کی طرح اپنی زندگی کے اس دور میں بھی عبادت و ریاضت اور زہد و ذکر و خلوت میں مشغول رہے۔ نیز ارباب طریقت سے میل ملاپ' عارفین کے علوم کی اشاعت اور صوفیاء کی احوال نگاری میں لگے رہے۔ گاہے گاہے وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر شہر سے باہر چلے جاتے' کبھی صحراء میں نکل جاتے تاکہ بیابان کی تنہائی میں بانداز دگر ذکر و فکر میں مشغول ہوں' خود کو مخلوق سے جدا کر لیں تاکہ خالق کے سوا کوئی ہمدم و ہم نشیں نہ رہے"۔

۶۲۷ھ میں دمشق میں ہی انہوں نے نبی علیہ الصلواۃ و السلام سے اشارہ پا کر "فصوص الحکم" لکھی جو ان کی تمام تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ "فصوص الحکم جیسی کتاب صرف اس وقت لکھی جا سکتی ہے جب آدمی عالم نفس اور اس کے جھگڑوں سے بہت اوپر اٹھ چکا ہو"۔ (محمد حسن عسکری۔ وقت کی راگنی صفحہ ۶۳)" اس میں انہوں نے جم کر نظریہء وحدت الوجود بیان کیا جس کے وہ عمر بھر ان تھک شارح رہے۔

حضرت شیخ الاکبر محیّ الدّین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ ٹک کر کبھی ایک جگہ نہ بیٹھے بلکہ ان کا سیر و سلوک باطنی ان کی سیر و سیاحت ظاہری سے حیرت انگیز طور پر عجیب مطابقت رکھتا ہے۔ گویا ظاہری و باطنی سفر میں وہ حکومت ان کے پیش نظر رہی جو حضرت احمد جام رحمتہ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمائی ہے:

ظہورِ مَردِ دانا دَر سَفر شُد ہمیشہ مَردِ دانا دَر سَفر بہ

وہ سلوک کی ساری منازل سے کچھ اسی طرح گذرے جیسے انہوں نے مختلف ادیار و امصار کے درمیان مسافتیں طے کیں۔ بیشتر تصنیفات و تالیفات ایسے ہی مرتب و

Marfat.com

مدون کیں جہاں موقعہ ملا یا جیسے ضرورت پیش آئی' رسائل لکھ دیئے۔ موج آئی تو شعر کہہ ڈالے' روحانی طور پر القاء ہوا تو کتابیں لکھ دیں۔ سیّد حُسین نَصر نے لکھا ہے: "ابن عربی کی رقم کردہ تصانیف کی وسیع تعداد اس امر کا اطمینان بخش ثبوت ہے کہ ان کا سرچشمہ مافوق الفطرت الہام ہے....." پھر لکھا ہے: "اس کے قلم سے کتب و رسائل اسی طرح نکل بہتے تھے جس طرح سمندر سے لہریں اٹھتی ہیں اور شے کو جو روبرو آئے' اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں"۔

اسی اثناء میں جہاں وہ اپنے وقت کے کئی زندہ عارفین سے ملے' وہاں انہوں نے روحانی ہستیوں سے ملاقاتیں کیں۔ ان میں ازمنہء قدیم کے انبیاء و اولیاء بھی تھے جن سے انہوں نے کئی باتیں سیکھیں۔ رجال غیب سے ملاقاتیں کیں' حجر اسود کے قریب کھڑے ہو کر خضر علیہ السلام سے ملے اور ان سے خرقہ پہنا۔ قلبی و روحانی احوال و واردات کا تجربہ کیا اور مکاشفات کے ذریعہ اپنے مقامات کا شعور حاصل کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ خاتم الولایت ہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سے ولایت مکاشفات و اسرار مراد ہے۔

۶۲۹ھ میں انہوں نے پینتیس سال کی محنت کے بعد "فتوحات مکیہ" کو مکمل کیا۔

حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے چھہتر سال کی عمر میں ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں دمشق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ کوہ قاسیون پر واقع ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

اگرچہ وہ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے مگر جیسا کہ حسین نصر نے کہا ہے: "دیگر تمام اکابر اولیاء و صوفیاء کی طرح ان کا شاہکار بھی خود ان کی حیات تھی ایک زندگی جو عام ڈگر سے بالکل مختلف تھی جس کے اشغال ذکر' مناجات اور غور و فکر کے علاوہ ان صوفی دراویش سے ملاقات تک محدود تھے۔ ان اشغال میں عالم روحانی کا مشاہدۂ تجلیات بھی شامل ہوتا تھا اور وہاں ان کے لئے نا مشہود مراتب عالم غیب بے نقاب ہوتے تھے"۔

انہوں نے بھرپور ازدواجی زندگی گزاری۔ ان کی کم و بیش تین شادیوں کا پتہ چلتا

Marfat.com

ہے۔ وفات کے موقع پر ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی موجود تھے۔

ان کی محفلوں میں بیٹھنے والے اور ان کے ملنے والے بہت تھے۔ ان کے خلفاء بھی ہوں گے مگر اصل یادگار ان کی کثیر التعداد تصنیفات ہیں اور ان کے اصل خلفاء ان کے شارحین ہیں خواہ وہ کسی زمانے میں بھی ہوئے جنہوں نے ان کے علوم و معارف کی اشاعت میں قابل قدر حصہ لیا۔ ان کا خاص طریقہ صوفیاء میں طریقہء اکبریہ کہلایا۔

ان کے بارے میں صحیح کہا گیا ہے کہ "ان کا تصوف اور ذہنی نظام یکسر انوکھا' نرالا اور نیا ہے۔ اگرچہ ان کے تصوف میں بھی وہی اصول و قواعد نظر آتے ہیں جو ان کے پیش رو صوفیاء کے فکری سلسلوں میں جلوہ گر ہیں تاہم انہوں نے اپنے تصوف کو ان سے نہیں لیا بلکہ ان کے برعکس انہی کے فکری نظام کی اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق یوں تعبیر و تفسیر کی ہے اور ایسے سانچے میں ڈھال لیا ہے کہ وہ ان کے اپنے تصوف کے مطابق اور ان کے اپنے فکری نظام کے عین موافق ہو گئے ہیں"۔

اس فکری نظام میں علم و معرفت کے بارے میں ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات قابل غور ہیں۔ انہوں نے علم کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ عقلی علوم جو عام فکر و بحث کا ماحصل ہوتے ہیں۔ علوم واردات و احوال جو ذوق اور تجربے یا جذبہ و احساس سے حاصل ہوتے ہیں اور علوم اسرار یعنی الہام و مکاشفات کے ذریعہ حاصل ہونے والے علوم جو انبیاء و اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہیں۔

عقل کے متعلق انہوں نے نہایت بصیرت افروز بات کہی کہ عقل کا دائرۂ کار گو محدود ہے مگر جہاں تک اس کی استعداد قبولیت کا تعلق ہے' وہ لامحدود ہے۔ اسی لئے انبیاء و اولیاء جو کچھ بیان کرتے ہیں گو عقل ان تک از خود نہیں پہنچ پاتی مگر انہیں قبول کرلیتی ہے۔ "عقل اس علم پر یقین رکھتی ہے اور اس معرفت پر اطمینان"۔

نبی' رسول اور اولیاء و فقراء عقل و فکر سے ماوراء کشف و الہام کے ذریعہ علم حاصل کرتے ہیں اور اس مقام سے بات کرتے ہیں جہاں تک فکر کی رسائی نہیں۔ اس لئے عام لوگوں کی عقل کے لئے اسکے سوا چارہ نہیں کہ وہ ان باتوں کو مان لے اور یہ ماننے کی اہلیت پہلے سے ان کی عقول میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ابن عربی رحمتہ

Marfat.com

اللہ علیہ یہاں تک کہتے ہیں کہ احکام شرع کا علم بھی عقل کی پہنچ سے باہر ہے حتیٰ کہ ان کی تشریح بھی اس کے لئے مشکل ہے۔ اسی لئے احکام شرع نبیوں کے وسیلے سے ملتے ہیں۔

ذات حق تعالیٰ' اس کے اسماء و صفات و تجلیات اور ان سے متعلق نکات و حقائق کا علم اصطلاح میں معرفت کہلاتا ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ معرفت کے بیان میں صوفیاء کے امام ہیں۔ اسی لئے انہیں مربی العارفین' قدوۃ العارفین' جمال العارفین' امام العارفین' سلطان العارفین' العارف الکبیر' العارف المحقق' الولی و العارف حقانی' بحر المعارف الالہیہ کہا گیا ہے۔

حصول معرفت کی ابتداء انسان کی ذات کے حقائق کی معرفت سے شروع ہوتی ہے۔ انسان اللہ کے حضور میں اپنی ذات کی محتاجی' مسکینی اور عاجزی سے اس قدر آگاہ ہو کہ اپنی جھولی خالی کرکے اس کے سامنے پھیلا دے۔'

پھر وہ قول و فعل کو درست کرے' اپنی نفسیاتی گمراہیوں اور پیچیدگیوں سے چھٹکارا پائے تب اس کی لطیف وجدانی قوت جاگ اٹھے گی اور اس کے قلب پر علوم اسرار نازل ہونا شروع ہو جائیں گے۔

ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے عرفانی نظام کی بنیاد وحدت الوجود ہے۔ یعنی وجود و موجود کی معرفت ان کی توجہ و تبلیغ کا مرکزی نکتہ ہے۔ وہ دین و تصوف کے ہر مسئلے کو اس کا جزو سمجھتے ہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے نظریہ وحدت الوجود کو کسی اور کے بیان کردہ نظریہ کے ساتھ خلط ملط کرنا سخت غلط ہو گا کیونکہ ان کا "نظریہ وحدت الوجود بھی ان خصوصی معنوں میں جن کے وہ قائل ہیں' اس سے پیشتر اس میں تصوف کا وجود نہ تھا' لہٰذا ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کا نظریہ تصوف یا ان کے تصوف کے فکر و نظام کی شکل بالکل انوکھی ہے"۔

وحدت الوجود کو ایک نظام کی شکل دے کر دراصل انہوں نے ایک ایسا فریم ورک تیار کر دیا کہ جس کے اندر غیر مسلم بھی اگر غور کریں تو ان کے لئے ممکن ہو سکے کہ وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے ذہنی و روحانی مناسبت محسوس کرتے ہوئے عقیدۂ

Marfat.com

توحید کو مان سکیں۔ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کی تالیفات آئندہ زمانوں کے لئے مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے درمیان نظریہء وحدت الوجود کی بناء پر ایک پل بن گئیں جن کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کے قریب آ سکتے ہیں کیونکہ نظریہء وحدت الوجود ایک ایسا امر ہے کہ عقل اور وجدان دونوں کے نتائج ادراک اس ایک نقطے پر آکر مل جاتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ ماضی و حال میں اس قسم کے شواہد موجود ہیں کہ اکثر و بیشتر غیر مسلم صرف شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کی کتب پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کی وسیع المشربی نے ان کے لئے راستہ کھول دیا:

"میرا دِل ہر صورت کو جا دینے کے قابل ہو گیا ہے' وہ غزالوں کی چراگاہ ہے اور راہبوں کی خانقاہ'

"یہ بُتوں کے لئے مندر ہے اور حاجیوں کے لئے کعبہ' یہ الواح تورات بھی ہے اور کتاب قرآن بھی۔

"میں دینِ عِشق کا پیرو ہوں۔ جس رُخ کا بھی قافلہء عشق رواں ہو' وہی میرا دین ہے اور وہی میرا ایمان ہے"۔ (اشعار ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ)

اب رہی بات حق تعالیٰ کی ذات کو کماحقہ پہچاننے کی تو شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ محض عقل کے طریق ادراک سے ماوراء ہے۔ انہوں نے بار بار زور دیا ہے کہ اس کی معرفت کے لئے کشف و شہود کا ملکہ درکار ہے۔ اس ملکہ کو پانے کا راستہ "عمل' تقویٰ اور سیر و سلوک سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی راستہ صحیح' روشن اور اطمینان بخش ہے نہ کہ راہ فکر و نظر جس میں خطا و اشتباہ کا ہمہ وقت احتمال رہتا ہے"۔ مگر جیسا کہ کہا گیا ہے' قبولیت کی جہت کے لحاظ سے عقل کی کوئی حد نہیں کیونکہ اگر عقل سلیم ہو تو وہ کشف و شہود سے دریافت شدہ اسرار کو ماننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے بلکہ آگے دوسروں کو منوانے میں بھی مدد دیتی ہے۔ چنانچہ خود حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ یہی کرتے ہیں کہ وہ اپنے عرفانی علوم کو عقل کے ذریعہ منوانے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔

وحدت الوجود کی تبلیغ بھی انہوں نے ایسے ہی کی ہے۔ وہ اور ان کے شارحین

Marfat.com

وجود کی تعریف سے بات شروع کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں سیدھے سادے طریقے سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ "وجود وہ ہے جس کا علم ہو سکے اور جس کی خبر دی جا سکے"۔

حق تعالیٰ کی ذات' ذات وجود ہے۔ "وہ ممکنات میں ظہور کرتا ہے اور متجلی ہوتا ہے۔ تمام ممکنات اسی کی ذات کے شیون' اظلال اور تجلیات ہیں"۔ عقل اور وجدان دونوں ذات حق اور مخلوق میں ایک وحدت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس وحدت کے باوجود حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ہر مرتبہ اپنے محل اور مقام کے لحاظ سے فرق رکھتا ہے۔ رب رب ہے اور بندہ بندہ ہے اور ذات خداوندی اپنی تمام مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ عقل و فہم اور کشف و وجدان سے بھی کہیں پرے' جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس شرح میں انہوں نے تشبیہ اور تنزیہہ کی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں یعنی اللہ ہر چیز میں ہے' یہ تشبیہ ہے اور اللہ ہر مقام اور جسم سے پاک ہے' یہ تنزیہہ ہے اور بہت اوپر جاکر (ورا الوراء) دیکھیں تو "وہاں تنزیہہ کی کوئی جگہ ہے نہ تشبیہ کی۔"☆

شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے ان تمام فکری و وجدانی مباحث کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب خیالات و افکار صرف محقق صوفیاء کے لئے مفید ہیں۔ عام درویش اور فقیر کو دوران سلوک میں عملی نکتہء نظر سے ان کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور جب

☆حضرت شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے نظریہ تشبیہ و تنزیہ کے ضمن میں ان کے یہ اشعار بارہا شارحین نقل کر چکے ہیں:

فان قلت بالتنزیہ کنت مقیدا" وان قلت بالتشبیہ کنت محددا"
وان قلت بالامرین کنت مسددا" وکنت اماما" فی المعارف سیدا"

(اگر تم اللہ کی ذات کو تنزیہ سے موصوف کرو تو تم نے اسے مقید کر دیا اور اگر تم اسے تشبیہ سے موصوف کرو تو تم نے اسے محدود کر دیا اور اگر تم دونوں کہو تو تم نے صحیح کہا اور عارفوں کے امام اور سردار بن گئے)

Marfat.com

کبھی اس کا ان مقامات سے گذر ہوتا ہے تب یہ اسرار براہ راست از خود اس پر کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور حضرت شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے معارف کی قدر اس کے نزدیک ذاتی طور پر اس لئے کم ہو جاتی ہے کہ یہ محض ان اسرار ربانی کی تائید یا کسی حد تک تشریح و تبلیغ میں ہی مدد بہم پہنچا سکتے ہیں۔

ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عالم اگرچہ اللہ کے اسماء و صفات کا محض ایک عکس رنگیں ہے مگر اس کے باوجود یہ اس وجود حقیقی (حق تعالیٰ) کا مظہر ہے اس لئے اس کی ہر چیز اس کی نشانی اور علامت ہے۔ اس تمام کارگاہ حیات و کائنات کا مرکز انسان ہے اور وہ بھی انسان کامل جو باطن میں ایک خیال ہے' جسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں اور ظاہر میں ذات محمد رسول اللہ ﷺ ہے جو رحمتہ اللعالمین اور خاتم النبیین ہے۔

عام انسان کے لئے بس اس قدر رہ گیا ہے کہ وہ نبی علیہ الصلواۃ و السلام کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرے اور ولیوں اور عارفوں کے راستے پر چل کر اللہ کا قرب پا لے۔ اب نبوت ختم ہو چکی اور بقول حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ "اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نبوت میں سے مبشرات' مکارم اخلاق اور حفظ قرآن کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رکھی"۔ اب کوئی کتنا ہی بڑا صوفی ہو جائے' اس کے احوال و مقامات کی ترقی ان تین امور سے باہر نہیں ہو گی۔

شیخ الاکبر ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ متکلّمین و عارفین کی نظر میں:

"ایک عظیم ولی اللہ"۔ (امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ)

"ابنِ عربی حقائق کا اک بحرِ ناپیدا کنار ہے"۔

(شہاب الدین عُمر بن محمد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ)

"میں نے شیخ محی الدین اکبر رحمتہ اللہ علیہ سے دمشق میں ملاقات کی اور ان کو ایک عالم باکمال' مختلف علوم میں بحر بیکراں اور حقائق میں راسخ و پختہ کار پایا"۔ (ابو عبداللہ محمد بن محمود شافعی)

"شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ بغداد میں آئے۔ میں نے ان سے

Marfat.com

ملاقات کی۔ میں نے ان کو ہر تعریف و توصیف سے بالاتر پایا"۔
(ابو عبداللہ محمد بن سعید د بیثی واسطی رحمتہ اللہ علیہ)
"علم و زہد و معرفت کا بحرذخار اور دریائے ناپیدا کنار"۔ (سعد الدین حمویہ)
"غوث' قطب اور ہم عصروں میں جامع کمالات"۔ (عبدالعزیز بن عبدالسلام)
"میں ان سے سن ۶۳۰ھ میں دمشق میں ملا۔ وہ شیخ دوران اور علوم شرعیہ اور حقیقت کے متبحر عالم تھے۔ اپنے مقام و منزلت اور رفعت و علو مکان میں لاثانی تھے۔ ان کی بڑی ہی مفید مطلب تالیفات و تصنیفات ہیں"۔
(ابو یحیٰ ذکریا بن محمود انصاری آنسی)
"ایک عظیم ولی اللہ' ایک صدیق کبیر' ایک شیخ طریقت' محققین کا امام اور عارفانہ علوم کو نئی زندگی دینے والا---- ان کے دعووں نے آسمان کا سینہ شق کر دیا' ان کی برکتوں نے پورے کرۂ زمین کو بھر دیا اور ان کی تصانیف ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں۔ علوم شریعت اور حقیقت میں کوئی ان کے پایہ کو نہیں پہنچتا اور کسی شخص نے ان جیسی گراں بہا کتب تالیف نہیں کیں...... وہ یقیناً اس سے بڑھ کر ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ میں ان کو بیان کر ہی نہیں سکا"۔
(مجدالدّین فیروز آبادی)
"بلند پایہ شیخ' فراخ دل فاضل' علوم شرعی پہ حاوی' معارف حقیقی میں راسخ و مستقل' یکتائے روزگار' ہم عصروں میں خوش بخت ترین انسان' عزیزان ہم عصران میں دلکش و دلپذیر شخصیت...... اسم اعظم' اکسیر ادوار و زمان---- اسم اعظم سے مراد زود مستجاب الدعوات ہونا ہے اور دین اسلام کا وہ احیاء کرنے والا (خدا اس سے راضی و خوشنود ہو) ان کی دعائیں بہت جلد شرف قبولیت پاتی تھیں اور ماہرین فن کے نزدیک کیمیا کی حقیقت اشیاء کی ماہیت کو تبدیل کرنا ہے جس سے قلعی' چاندی اور تانبا قلب کے سونے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس مرد حق کے رشد و ہدایت سے کتنے ہی اراکین حیوانیت

Marfat.com

کی خساست و ادنیٰ حیثیت سے انسانیت کے عمدہ مقام اور نفاست میں بدل گئے"۔ (ابوالحسن بن ابراہیم قاری بغدادی)

"شیخِ اکبر، خاتمِ اصغر، نورِ درخشاں، خاتمِ الاولیاء"۔ (ابو الفتح محمد بن مظفر الدین)

"ایک دقیق بین محقق اور عارفوں کا سرتاج.... تمام محققین اور اہل اللہ تمام علوم میں اس کی بزرگی اور فضیلت پر متفق الرائے ہیں.... وہ کتاب و سنت کے پابند تھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ وہ ہر شخص جس نے شریعت کی میزان کو اپنے ہاتھ سے ایک لمحے کے لئے بھی پھینک دیا، وہ ہلاک ہو گیا"۔

(ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانی)

"توحید پرستوں میں یکتا و لاثانی..... وہ اس جہان کی پست بندشوں اور بندھنوں سے آزاد اور کشف و شہود کاملیت کی بلندیوں پر فائز تھے"۔

(قاضی نور اللہ سوستری)

"عجوبہء روزگار، نادرۂ دہر، معانی کا خلاق اور اہل کشف و شہود کا سرتاج جو ظاہری و باطنی کمالات کے اس عروج و بلندی تک پہنچے جو انسانی عقل و گمان کے احاطے سے باہر ہے اور عالم شہود کے عجائبات کی ہر سیر میں ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ جس کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ کہنا مناسب نہیں کہ وہ ایک طریقہ عقل کے طریقہ سے وراء ہے..... فقر و قناعت کے لباس میں ملبوس ہو کر اپنے صبر و رضاعت کی قوت کے بل بوتے پر علائق دنیوی کے نقاب کو یوں اتار پھینکا تھا کہ کشف و شہود کی اس روحانی دنیا سے اس مادی دنیا کو پھر سے لوٹنے کی قطعاً" تمنا نہ رہی۔ معرفت کی نادر عبارات کی تشریح میں ان کو اس حد تک مہارت تھی کہ مشائخ طریقت میں سے کوئی شیخ الاعظم بھی اس نسیج معرفت کے تار و پود کو اس حسن و عمدگی سے نہ بن سکا۔ علم و فضل میں وہ ایسے یکتائے روزگار تھے کہ دوست دشمن سبھی ان کے علم و فضل کی مدح و ستائش میں یکساں طور پر رطب اللسان ہیں اور

Marfat.com

معرفت کے وسیع میدان میں ان کی حیثیت ایسی مسلمہ ہے کہ دوست اور دشمن سبھی ان کی عبارات کی روانی کے اعتراف سے سرشار ہیں۔ جو لوگ ان سے عقیدت کا دعویٰ رکھتے ہیں' وہ اس کی یوں مدح و ستائش کرتے ہیں کہ عقل و دانش کو سوائے حیرت و تحیر کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا اور جو لوگ ان پر باطل عقیدہ رکھنے کی تہمت لگاتے ہیں' وہ اپنے دامن کو اس غلط الزام تراشی اور گمراہی کی آلائش سے داغدار کرتے ہیں مگر پھر بھی علم و فضل میں ان کے مقام عظمت کو گھٹا نہیں سکتے"۔

(سید صالح موسوی خلخانی)

علماء و صوفیاء میں ایسے حضرات بھی تھے جنہوں نے ان کے عقائد و نظریات پر سخت تنقید کی۔ جیسے فقیہ امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ' رکن الدولہ علاؤ الدین سمنانی رحمتہ اللہ علیہ' اور بہت سے شیعہ و سنی مفکرین---- ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے نظریۂ وحدۃ الوجود کو سلوک کا ایک مقام قرار دیا جب کہ ان کے نزدیک حقیقت اس سے آگے تھی۔

ان تنقیدات پر بہت بحثیں کی گئی ہیں جن کے دہرانے کی ضرورت نہیں' البتہ یہاں ان کی ایک تحریر نقل کی جاتی ہے تاکہ ان کے ذاتی عقائد کی وضاحت ہو جائے اور کسی کی تسلی کے لئے کافی ہو:

"اے میرے برادران و احباب اللہ تعالیٰ تم سے راضی رہے' تم کو گواہ بناتا ہے عبد ضعیف مسکین جو ہر آن ہر لحظہ فقیر و محتاج الی اللہ ہے۔ وہ اس کتاب کا مصنف و منشی ہے۔ وہ تم کو اپنے نفس پر گواہ کرتا ہے' بعد اس کے کہ وہ گواہ کرتا ہے اللہ کو' اس کے فرشتوں کو اور تمام حاضر مومنین کو اور جو سنیں ان کو بھی' اپنے قول و عقیدے پر شاہد بناتا ہے کہ

"اللہ ایک ہے' الوہیت میں اس کا ثانی نہیں۔ وہ بیوی بچوں سے پاک ہے۔ منزہ ہے۔ وہ سب کا مالک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' بادشاہ ہے' اس کا کوئی وزیر نہیں۔ صانع ہے' اس کا کوئی تدبیر سکھانے والا نہیں۔ وہ بذاتہ موجود ہے' وہ کسی موجد کا محتاج

Marfat.com

نہیں۔ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں' اپنے وجود میں سب اس کی محتاج ہیں۔ پس تمام عالم اس سے موجود ہے۔ وجود بالذات و بنفسہ سے صرف وہ موصوف ہے۔ وہ عرض نہیں ہے کہ اس کی بقاء مستحیل ہو۔ وہ جسم نہیں ہے کہ اس کے لئے جہت اور مقابلہ ہو۔ وہ جہات و اقطار سے مقدس و پاک ہے۔ اس کا دیدار دل سے بھی ہو سکتا ہے اور آنکھوں سے بھی۔ جب چاہے' اپنے عرش پر مستوی و جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس استواء سے اللہ کی جو مراد ہو' میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ عرش و ماسوائے عرش حق جل و علا ہی سے قائم ہے۔ دنیا بھی اسی کی ہے اور آخرت بھی اسی کی۔ اول آخر سب اسی کا ہے۔ اس کا مثل معقول نہیں' اس کی بے نظیری مجہول نہیں۔ زمانہ اس کو محدود نہیں کر سکتا۔ مکان اس کو بلند نہیں کر سکتا۔ وہ اس دم بھی تھا جب مکان نہ تھا۔ وہ جیسا تھا' ویسا ہی رہا اور رہے گا۔ مکان اور متمکن دونوں کو اس نے پیدا فرمایا۔ زمانے کو بھی اس نے پیدا کیا۔ وہ فرماتا ہے: میں ایک ہوں' زندہ ہوں' مجھے حفاظت مخلوقات دشوار نہیں......."

"سبحان اللہ' اس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ وہ سب کا خالق ہے' اس کا کوئی خالق نہیں۔ **خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ** (اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے افعال کو بھی)۔ **لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ** (اس کے کام پر کسی کو سوال کرنے کا مقدور نہیں۔ بندوں سے جواب پرسی کا اس کو حق ہے) **لِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ لَوْشَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔** (اللہ کی حجت تام ہے۔ وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا)۔"

"میں گواہ بناتا ہوں نیز اس کے فرشتوں کو' تمام خلق کو اور تم کو اپنے نفس پر کہ میں توحید الٰہی کا قائل و معتقد ہوں۔ نیز اللہ سبحانہ' کو گواہ بناتا ہوں اور فرشتوں کو اور تم کو اپنے نفس پر کہ میں حضرت مُصطفٰی مختار و مُجتبٰی برگزیدۂ خلائق و موجودات محمّد مُصطفٰی ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں۔ اللہ تعالٰی نے آپ کو تمام لوگوں پر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا' آپ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آپ ﷺ سراجِ منیر ہیں۔ شمع روشن ہیں۔ اللہ تعالٰی نے آپ پر جو کچھ اُتارا' اس کی تبلیغ کی۔ اللہ کی امانت کو آپ نے ادا کیا۔ آپ ﷺ حجتہ الوداع' آخری حج میں تمام حاضرین کے سامنے

Marfat.com

خطبہ پڑھا' آپ نے نصیحت کی' ڈرایا دھمکایا' خوشخبری دی' وعد و وعید فرمایا' گویا آپ برسے بھی' گرجے بھی۔ آپ کی نصیحت کسی سے خاص نہ تھی۔ یہ سب بحکم واحد و صمد تھا۔ پھر آپ نے فرمایا' دیکھو کیا میں نے تبلیغ نہیں کر دی؟ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ' آپ نے تبلیغ کی' سب کچھ پہنچا دیا۔ آپ نے فرمایا' اللہ تو گواہ رہ۔۔۔ پھر آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت ﷺ جو کچھ عقائد و احکام لائے ہیں اس پر ایمان لایا ہوں۔ میں اس کا مومن ہوں۔ احکام نبوی ﷺ میں سے جن کو جانتا ہوں' جن کو نہیں جانتا' سب پر ایمان ہے۔ میں ایسا ایمان رکھتا ہوں جس میں نہ شک ہے نہ شبہ۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ وقت مقرر پر موت حق ہے۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے۔ اجساد کا قبروں سے بعث اور اٹھنا حق ہے' اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض و پیش ہونا حق ہے' حوض کوثر حق ہے' میزان حق ہے' اعمال ناموں کا اڑ کر ہاتھوں میں آنا حق ہے' صراط پر سے گذرنا حق ہے' جنت بھی حق ہے' دوزخ بھی حق ہے' بعض لوگوں کا جنت میں جانا اور بعض کا دوزخ میں جانا حق ہے۔ بروز قیامت بعض لوگوں پر کرب و بے قراری بھی حق ہے' بعض لوگوں کو پریشانی کے وقت حزن و غم نہ ہونا بھی حق ہے' انبیاء' ملائکہ اور مومنین کی شفاعت بھی حق ہے' ارحم الراحمین کا سب کی شفاعتوں کے بعد بعض کو دوزخ سے نکالنا بھی حق ہے' بعض کبیرہ گناہ کرنے والے گناہ گاروں کو دوزخ میں ڈالنا اور پھر نکالنا بھی حق ہے۔ خواہ شفاعت سے خواہ امتنان و احسان سے' مومنین موحدین کا جنت میں دائمی نعمتوں میں ابد تک رہنا بھی حق ہے' دوزخیوں کا ابد تک دوزخ میں رہنا بھی حق ہے' کتب آسمانی اور انبیاء سے جو کچھ پہنچا ہے' حق ہے خواہ ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو۔ یہ میری شہادت ہے میرے نفس پر۔ یہ میری امانت ہے۔ جس کے پاس یہ امانت پہنچے اگر اس سے کوئی سوال کرے تو وہ اس کو ظاہر کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تم کو اس ایمان سے نفع بخشے۔ جب ہم اس دار فانی سے انتقال کریں' اس پر ثابت و قائم رکھے"۔

(فتوحاتِ مکیہ' جلد اول۔ ترجمہ ء اقتباس۔ عبدالقدیر صدیقی)

Marfat.com

بحوالہ

1 :- محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ' حیات و آثار۔ از ڈاکٹر محسن جہانگیری' ترجمہ : احمد جاوید' سہیل عمر۔ ۱۹۸۱ء۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور۔

2 :- تین مسلمان فیلسوف۔ از سیّد حسین نصر۔ ترجمہ : پروفیسر محمّد منوّر۔ ۱۹۸۷ء۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور۔

3 :- فصوص الحکم۔ از ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ۔ ترجمہ : مولانا عبدالقدیر صدیقی۔ ۱۹۷۹ء۔ نذیر سنز۔ لاہور۔

4 :- Sufis of Audalusia (ترجمہ "روح القدس" و "در الفاخرہ" ز ابن عربی)
Translated by R.W.J. Austin, Suhail Academy, Lahore

Marfat.com

طَرِیقہء اکبریۂ

حضرت شیخ الاکبر محیؒ الدّین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ سے جو طریقہ منسوب ہے' اسے طریقہء اکبریہ' طریقہء خاتمیہ یا طریقہء عَرَبیہ کہتے ہیں لیکن زیادہ تر طریقہء اکبریہ کے نام سے معروف ہے۔ یاد رہے کہ شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ نے نہ تو منصوبے کے ساتھ خاص طور پر کسی طریقے کی بنیاد رکھی اور نہ ہی اسے سلسلہ وار آگے بڑھانے کے لئے خلفاء مقرر کئے۔ انہوں نے اپنے نظام تصوف میں زیادہ تر فکری و وجدانی تربیت کے رہنما اصول و درجات بتائے ہیں جو ہر طریقے کے مردان راہ کے لئے سود مند ثابت ہو سکتے ہیں۔

دراصل انہوں نے خود کسی ایک شیخ سے تعلیم اخذ نہ کی تھی۔ گو حضرت شیخ ابومدین مغربی رحمتہ اللہ علیہ سے انہوں نے طریقت کے ابتدائی اصول سیکھے مگر بعد میں وہ کئی مشائخ کی صحبت میں رہے جن کا ذکر "فتوحاتِ مکیہ" کے علاوہ خاص طور پر ان کی کتب "رُوح القُدس" اور "در الفاخرہ" میں ملتا ہے۔ ان میں اصحاب صحو و تمکین بھی تھے اور صاحبانِ جَذب و سُکر بھی۔ ان سب سے انہوں نے کچھ نہ کچھ سیکھا۔ پھر جب وہ خود صاحبِ اِرشاد ہوئے تو ان سب کے فیوض و برکات' اپنے مکاشفات و احوال اور ظاہری و باطنی علم و فضل کے نتیجے میں وہ ایک خاص طریقہ کے عامل و مالک ہوئے۔ یہاں تک کہا گیا کہ: "ان کا تصوّف اور ذہنی نظام یکسر انوکھا' نرالا اور نیا ہے"۔

گو ان کے طریقے میں فِکری و وِجدانی تعلیم غالب ہے مگر اس تعلیم کی قبولیت کے لئے زمین قلب تیار کرنے کی خاطر وہ عملی ہدایات بھی دیتے نظر آتے ہیں۔

شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کا سلوک ایک سفر ہے کہ چلنے والا ایک حال سے دوسرے حال میں اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ ان کے سلوک میں درجاتِ سلوک کی نشاندہی کی گئی ہے۔

عملی لحاظ سے اپنے طریقے میں انہوں نے پہلا درجہ علمِ شریعت کا حصول قرار دیا ہے۔ صوفی کو پہلے اس علم کی روشنی میں احکام الٰہی اور سنت نبوی(ﷺ) کے مطابق عمل کرنا چاہئے تاکہ اس میں طہارت کی حالت مستقل ہو جائے۔ اس کے بعد اخلاق فاضلہ کی طرف توجہ دینی چاہئے جس کے لئے حسبِ معمول ریاضت و خلوت ضروری ہے۔ مثلاً کم کھانا' کم سونا' کم بولنا اور کم ملنا جلنا وغیرہ۔ پھر اس کے بعد کسی شیخ کو رہنما بنا کر باطنی منازل طے کرنی چاہئیں۔ آدابِ شیخ وہی ہیں جو دیگر صوفیاء نے لکھے ہیں۔

انہوں نے کچھ اوراد بھی لکھے ہیں مثلاً "حزب الدّورالاعلیٰ" ایک نہایت جامع دعا ہے جو روزانہ پڑھنی چاہئے۔ یہ تاثیر کے لئے "دعائے شش جہات" ہے یعنی مادی و روحانی دنیا میں برابر موثر ہے۔

اس طریقہ کے مشائخ فکری و وجدانی دونوں سطح پر توحید اور اس کی شرح میں نظریہء وحدت الوجود پر بہت زور دیتے ہیں اور ان کے مراقبوں میں مکاشفات کا رخ بھی اسی جانب ہوتا ہے۔ چونکہ اس طریقہ کے پیروؤں کے مراقبات کلیت کو مدنظر رکھتے ہیں اس لئے توحید کی صورت ہَمہ اوُست اور وحدتُ الوجود کی شکل میں ہی ان پر منکشف ہوتی ہے۔

شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے پیروان طریقت مفکر و محقق اور اہل وجد و حال ہوتے ہیں۔ وہ وسیع المشرب' فراخدل اور کسی حد تک آزاد خیال ہوتے ہیں۔ انہیں ملامت کی پروا نہیں ہوتی گو اپنے طور پر وہ شریعت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے معاملات و عبادات میں شریعت کو نظرانداز کرتا ہے تو وہ طریقہء اکبریہ کا پیرو نہیں ہے۔

طریقہء اکبریہ کا زیادہ تر اثر و نفوذ دوسرے طریقوں کے مشائخ کے ہاں احوال و مقامات کی تفہیم و معرفت کی صورت میں نظر آتا ہے کیونکہ طریقہء اکبریہ خود زیادہ آگے چلا ہو یا نہیں لیکن اس کے فکری و وجدانی نظام نے دوسرے طریقوں پر بڑے

Marfat.com

گہرے اثرات مرتسم کئے ہیں۔ خاص طور پر روحانی احوال و مقامات کے سمجھنے کے لئے کسی بھی طریقہ میں شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ ان کی تائید و تشریح کے لئے شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کے مطالعہ و حوالہ کی طرف رجوع ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف طریقوں کے مشائخ اپنی خاص مجالس میں اپنے مقرب مریدوں کے سامنے ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحات مکیہ'' کا درس دیتے رہے ہیں اور انہیں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی (کَانَ الشَّیْخُ آیَۃٌ مِّنْ آیَاتِ اللّٰہ) قرار دیتے رہے ہیں۔ خواجہ غُلام فرید رحمتہ اللہ علیہ طریقہء چشتیہ کے شیخ تھے، مگر فرماتے ہیں:

مُلاں دے وَعظ نہ بھانڈے بیشک سَاڈا دین ایمانے
ابنِ عَربی دا دَستُور

یا فرمایا:

ابنِ عَربی سَاڈا ہے اُستاد

❁

Marfat.com

شمعِ جمال

ج)

مولانا جلال الدین محمد

بلخی رومی رحمۃ اللہ علیہ

طریقہ مولویہ

مریدِ ہندی

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

مولانا جلال الدّین محمّد بلخی ثم رُومی
رحمتہ اللہ علیہ

مولانا جلال الدّین محمّد بلخی ثم رُومی رحمتہ اللہ علیہ ۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء میں مُفتیوں اور قاضیوں کے خاندان میں ایک عالمِ دین، مدّرس اور مُبلّغ سُلطان العُلماء مولانا محمّد بن حسین خطیبی معروف بہ بہاؤ الدّین وَلَد کے ہاں بلخ میں پیدا ہوئے---- بَلخ جو اس زمانے میں خُراسان کی شمالی ولایت کا شہر تھا اور تہذیبی سرگرمیوں کی بناء پر قُبتہُ الاِسلام کہلاتا تھا۔

یہ شہر سُلطان عِلاؤ الدین محمّد بن تکش خوارزم شاہ کا دارالحکومت تھا جس کی سلطنت کوہ یورال سے خلیج فارس تک اور سندھ سے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔

بغداد میں عباسی خلافت کا چراغ جھلملا رہا تھا۔ اس کے باوجود یہ روشنی اردگرد کے تمام سلاطین اور عامتہُ المسلمین کی آنکھوں کا نور تھی کیونکہ اس سے انہیں ملتِ اسلامیہ کی مرکزیت کا احساس ہوتا تھا جس کا ازراہِ عقیدہ و عقیدت اپنے تئیں وہ ایک حِصّہ سمجھتے تھے۔

شام و فلسطین میں ایوبی خاندان کے سلاطین حکمران تھے۔ گو وہ آپس میں اقتدار پر قابض ہونے کے لئے رَسہ کشی میں مصروف رہتے تھے مگر صلیبی جنگوں کا مقابلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔

وسطی ایشیاء سلجوقی ترکوں کے زیر نگیں تھا اور انہوں نے اپنی ایک الگ دنیا بسا رکھی تھی۔

اسلامی تہذیب اپنے عروج پر پہنچ کر اب زوال کی جانب رو بذیر تھی اور اپنے ہی بوجھ کے تلے دب کر ریزہ ریزہ ہونے والی تھی حتیٰ کہ اوپر کا ملمع بھی اتر رہا تھا۔ اخلاقی و معاشرتی نظام کھوکھلا ہو چکا تھا اور اس کا انتشار ہر ایک کو نظر آ رہا تھا۔ ریاکاری،

Marfat.com

مُنافقت، حَسَد، تعصّب، حِرص، آرام طلبی اور بے راہروی، علِم و دانش حتیٰ کہ توہّم پرستی و جہالت کا دور دورہ تھا۔ ایک شاعر نے جَل کر کہا تھا:

منسُوخ شُد مُروّت و معَدوم شُد وَفا

ایں ہر دو نام ماند چُوں سیمرُغ و کیمیا

(مُروّت ختم ہو گئی، وفا ناپید ا ہو گئی، اب سِیمرغ اور کِیمیا کی طرح بس ان دونوں کا نام رہ گیا ہے)

اسی طرح اس دور کے صُوفی شاعر سنائی غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

مُسلمانی کنُوں رسمی است بَر عُرفی و عاداتی

دریغا کو مُسلمانی، دریغا کو مسلمانی!

(عرف و عادت کے طور پر مسلمانی کی رسم رہ گئی ہے، ہائے افسوس، مسلمانی کہاں چلی گئی)

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے خوارزم شاہی سلطنت اور خلافت بغداد کی شکست و ریخت کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دل سے محسوس کیا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ بغداد اور مکہ کے راستوں پر تھے کہ انہوں نے خوارزم شاہی ولایت پر چنگیز خان کی لشکر کشی کے بارے میں سنا۔ پھر سَمرقند، بُخارا، بلخ، ہرات، مرو، رے اور نیشاپور کی ہنستے بستے شہر--- تہذیب و تمدّن کے مراکز--- منگولوں نے تباہ کر ڈالے۔

ایک مظلوم بچ کر کہیں جا نکلا۔ اس کے شہر کے بارے میں کسی نے پوچھا تو اس نے کہا: "بس وہ آ گئے، تباہی مچا دی، سب کچھ جلا ڈالا، قتل و خونریزی کی، لوٹا کھسوٹا اور چل دیئے"۔ کہا جاتا ہے کہ اس حادثے سے متاثر کسی فصیح البیان خطیب و ادیب سے بھی پوچھتے تو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکتا۔

بغداد کی باری آئی تو چھ صدیوں تک سپرپاور رہنے والی خلافت بغداد وحشی منگولوں کے ہاتھوں ایک ہی ضرب سے چکرا کر ایسی گری کہ پھر قائم نہ ہو سکی۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کی فریاد چار دانگ عالم میں گونج اٹھی:

Marfat.com

آسمان را حقّ بُوَد گر خُوں ببارد بر زمین
بر زوال ملک مُستعصم امیر المومنین

دوسری طرف عیسائیت کو مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اسلام پر پے در پے حملے کرتے سنا۔ دو صدیوں تک جاری رہنے والے ان حملوں کو صلیبی جنگوں کا نام دیا گیا ہے مگر دراصل یہ معرکے دو قوتوں کے درمیان تھے : عیسائیت بمقابلہ اسلام

مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اسلام کے ایک تیسرے دشمن کی ہلاکت خیزیوں کو بھی دکھی نظروں سے دیکھا ہو گا۔ یہ گھر کا بھیدی دشمن تھا: حَسن بِن صَباح

شیخ الجبل حَسن بِن صَباح کے فدائی اس کی ہدایات کے ساتھ منشیات کے عادی بن کر اِسلامی تاریخ میں بھیانک جرائم کے مرتکب ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کی بہترین اور بزرگ ترین ہستیوں کے قتل سے ہاتھ رنگ رہے تھے۔

مِلتِ اِسلامیہ کی یہ سازی لرزہ خیز بربادیاں مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ جیسے حَساس اور شاعر صُوفی کے قلب و روح کو ہلا دینے کے لئے کافی تھیں۔ وہ اگر علم و عقل کے محدود دائرے سے نکل کر دشتِ جنوں میں نہ نکل جاتے تو اور کیا کرتے۔ ان کے قلب و روح کی پناہ گاہ صرف وادیء عشق تھی جہاں وہ رو سکتے تھے اور رُلا سکتے تھے' تڑپ سکتے تھے اور تڑپا سکتے تھے----اِمامِ عِشق و جُنوں یا بقولِ اِقبال :

"کاروانِ عِشق و مُستی را امیر"

تخریب و خَلفشار کے اس تاریک دور میں بقول پروفیسر اے ۔ جے ۔ آربری :

"مولانا (رحمتہ اللہ علیہ) ایک پر شکوہ قلعہء کوہ تھے جس کے مقابلے میں اگلے پچھلے تمام شعراء محض دامنِ کوہ کے ٹیلے نظر آتے ہیں۔ ان کے مثالی کردار' افکار اور زبان کا اثر آنے والی تمام صدیوں میں محسوس کیا گیا ہے۔ ان کے بعد فارسی پڑھ سکنے والے ہر صوفی نے ان کی رہبری کو متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے"۔(۱)

مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی رحمتہ اللہ علیہ نے بلخ میں ہی اپنے والد کے مدرسے کی علمی فضا میں شعور کی آنکھ کھولی۔ ان کے والد نے انہیں ایک قابل اور فاضل شاگرد برہان الدین محقق رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے کیا۔ انہی کی زیر نگرانی انہوں

Marfat.com

نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں اپنی تمام زندگی کا خلاصہ بیان فرمایا ہے:

حاصِل عُمرم سہ سُخن بیش نیست
خام بُدم، پُختہ شُدم، سوختم

مناسب ہو گا کہ انہی عنوانات کے تحت ان کے احوال و مقامات کا ذکر کیا جائے۔

ایک بات قابل غور ہے کہ جب مولانا فرماتے ہیں "میں خام تھا" تو ان کے لفظوں پر نہیں جانا چاہیے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شروع میں ان میں کچھ کمی تھی یا خامی تھی۔ ان کی مراد صرف یہ ہے کہ یہ ان کی تعلیم و تربیت کا دور جس میں ان کی تمام فطری اہلیتوں اور صلاحیتوں نے نشوونما پائی اور پختگی کی حدود تک پہنچیں۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ خامی، پختگی اور سوختگی کے دائرے کچھ ایسے الگ الگ بھی نہیں ہیں۔ ان کی حدود بھی اول و آخر ایک دوسرے کے اندر ملی جلی پائی گئی ہیں۔

"خَام بُدم"

مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے والد کے خاندان کا شجرۂ نسبی حَسَبِ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ایک تو یہ شرف تھا، پھر ان کی حکمران خاندان خوارزم شاہی کے ساتھ بھی رشتہ داری تھی۔ وہ خود اپنے وقت کے با رسوخ عالم اور صوفی تھے۔ مولانا رحمتہ اللہ جب پیدا ہوئے تو ان کی عمر اُنسٹھ سال تھی اور وہ اپنی شہرت کے بام عروج پر تھے مگر حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو بچپن میں تعلیم و تربیت کے دوران خارجی مداخلت سے پاک اور محفوظ ماحول نہ مل سکا۔ مثلاً پانچ سال کی عمر میں وہ شہر سمرقند میں تھے اور انہوں نے خوارزم شاہ کی سمرقند پر لشکر کشی اور اس کے نتیجے میں خلق خدا کی ابتری و پریشانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ان کے اردگرد کی فضا چونکہ خالصتاً دینی و علمی تھی اور پھر ان کے والد، ان کے اتالیق برہان الدین محقق رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ ان کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے ہروقت موجود تھے لہٰذا ان کی تعلیم میں زیادہ حرج واقع نہ ہوا ہو گا۔

Marfat.com

مولانا رحمتہ اللہ علیہ تیرہ برس کے ہوں گے کہ ان کے والد نے بلخ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس ہجرت کی کئی توجیہات بیان کی جاتی ہیں مگر زیادہ قابل تسلیم بات یہ ہے کہ منگولوں کی طرف سے حملہ کسی وقت بھی متوقع تھا اور مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے والد کو یقین ہو گیا تھا کہ اب یہاں بد امنی و بربادی یقینی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر بلخ سے نکل کھڑے ہوئے۔

اس سفر کا ایک اہم واقعہ تیرہ سالہ جلال الدّین محمدؒ کی نیشاپور میں مشہور صوفی شاعر حضرت فرید الدّین عطار رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہے جنہوں نے طفل نوخیز میں رُشد کے آثار دیکھے اور دعا و برکت کے ساتھ مثنوی "اسرار نامہ" کا ایک نسخہ بھی ان کو دیا۔

نیشاپور سے اس عالم خاندان کا قافلہ بغداد پہنچا تو اپنے وقت کے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سُہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کا استقبال کیا اور وہ مدرسہ مستنصریہ میں کچھ روز ٹھہرے۔ خلیفہ نے ان کی عزت افزائی کی۔ جامع مسجد میں جمعہ کے روز ان کے وعظ کی مجلس میں خود حاضر ہوا۔ اس وعظ میں بھی مولانا بہاؤ الدین ولد رحمتہ اللہ علیہ نے خلیفہ کو حکومت کی کج روی پہ تنبیہہ کی اور منگولوں کے خطرہ سے آگاہ کیا۔

یہ لوگ بغداد سے نکلے ہی ہوں گے کہ بلخ پہ منگولوں کے حملے اور تباہی و بربادی کی خبر ہر جگہ سن لی گئی۔ بغداد سے شام اور وہاں سے مکہ پہنچے۔ حج کی ادائیگی کے بعد ارزنجان سے ہوتے لارندہ میں منزل کی اور ایک طویل سفر کے بعد وہیں قیام پذیر ہوئے۔ یہیں مولانا رحمتہ اللہ علیہ اٹھارہ سال کے ہوئے تو ان کی شادی خواجہ لالائے سمرقندی کی صاحبزادی گوہر خانم سے ہوئی۔ اگلے سال ایک بیٹا سُلطان وَلَد پیدا ہوا جس نے بڑے ہو کر "مثنوی ولدی" لکھی۔ اب یہ مثنوی مولانا کی حالات کا ایک معتبر و مستند ماخذ ہے۔

اس دور میں قُونیہ ایک نہایت پُر سکون اور پُر امن شہر تھا' جہاں سلجوقی بادشاہ علاؤ الدین کیقباد حکمران تھا۔ اس نے مولانا کے والد کو قونیہ آنے کی دعوت دی۔ مولانا

Marfat.com

رحمتہ اللہ علیہ کے والد اپنے اہل و عیال سمیت قُونیہ پہنچے۔ اس وقت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی عمر بائیس سال تھی۔ دو سال بعد ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ یوں چوبیس سال کی عمر میں وہ اپنے والد کے سجادے پر بیٹھے۔

ایک سال بعد ان کے استاد برہان الدین محقق بھی قونیہ آ پہنچے اور دیکھا کہ ان کا شاگرد ظاہری علوم میں کافی حد تک دسترس حاصل کر چکا ہے۔ اب اسے حکمت الہیہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اگلے نو سال تک ان کا آپس میں تعلق پیر مرید کا رہا۔ بقول سُلطان وَلَد:

شُد مُریدش زجان و سَر بنہاد ہمچُو مُردہ بہ پیشِ اُو اُفتاد
پیشِ او چُو بمُرد' زِندش کرد گِریہ اش بر دو کون خَندہ کرد

(وہ ان کے دِل و جاں سے مُرید ہو گئے اور مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ان کے سامنے مُردہ ہو کر پڑ رہے۔ جب وہ ان کے سامنے اس طرح اطاعت پذیر ہوئے تو مرشد نے انہیں، نئی زندگی بخشی۔ اب ان کے گِریہ کے سامنے کونین کی مسرّتیں حقیر نظر آئیں)

ظاہر ہے کہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے پہلے مرشد بُرہان الدین محقّق ترمذی رحمتہ اللہ علیہ تھے جنہوں نے ان کی فطرت کے خام مواد کو اپنے طریقہء تعلیم سے پختگی بخش دی مگر دونوں استاد شاگرد یا پیر مرشد اس پر بھی قانع نہ ہوئے۔ چونتیس سال کی عمر میں مولانا کو شام کا سفر اختیار کرنا پڑا اور وہ حلب میں احناف کے ادارے مدرسہء حلاویہ میں جا داخل ہوئے۔ چار سال تک وہاں تکمیل تعلیم کے بعد وہ تقریباً" اتنا ہی عرصہ مزید دمشق میں ٹھہرے اور سات سال کے بعد قونیہ لوٹے۔ ایک سال کے بعد ان کے پیر استاد کا وصال ہوا تو وہ وہاں موجود تھے۔

دمشق میں مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا قیام حصول علم کے علاوہ ایک اور لحاظ سے بھی اہم بیان کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ شاید پہلی بار ان کی ملاقات شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ یہیں ہوئی۔ دوسری بات قابل ذکر یہ ہے کہ دمشق میں ان کی ملاقات ضرور حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی ہو گی جو اپنی عمر کے

Marfat.com

آخری ایام میں اس وقت وہاں قیام فرما تھے اور ان کا باقاعدہ وہاں ایک حلقہ ء درس و صحبت تھا کیونکہ قونیہ میں آباد ہونے کے بعد مولانا کا تعلق شیخ صدر الدین قونوی رحمتہ اللہ علیہ سے رہا۔ وہ ان کے ہاں امام الصلواۃ بھی تھے۔ موصوف ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد اور ان کے عقیدہ و فکر کے شارح تھے۔ ان سے ضرور انہوں نے شیخ الاکبر رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں سنا ہو گا اور پھر دمشق میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں گے لیکن گو ان کے آثار نظم و نثر میں ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے افکار و عقائد کا پرتو صاف نظر آتا ہے مگر ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی ملاقات کا انہوں نے کہیں ذکر نہیں کیا۔

بہرصورت دمشق سے واپس آنے کے بعد وہ صحیح معنوں میں اپنے والد کے جانشین بنے۔ اب وہ مذہب' فلسفہ' فقہ اور اخلاقیات کے بہت بڑے عالم اور مربی تھے۔ ساتھ ہی تصوف و سلوک میں بھی کامل تھے۔ اب ان کے درس و وعظ میں لوگ کثیر تعداد میں شامل ہونے لگے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے:

دہ ہزارش مرید بیش شدند — گرچہ اوّل ز صدق دور بدند
وعظ گفتے ز جود بر منبر — گرم وگیرا چوں وعظِ پیغمبر

(ان کے مریدوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اگرچہ ان کے پاس آنے سے پہلے یہ لوگ صدق سے دور تھے۔ وہ نہایت اخلاص سے منبر پر بیٹھ کر وعظ کہتے اور جذبہ و تقریر کے لحاظ سے ان کے مواعظ نبی اکرم ﷺ کے خطبات کی طرح تھے)

ان کے آگے پیچھے صوفیاء و اولیاء اللہ اور خاص طور پر عطار و سنائی رحمہم اللہ علیہم' نیز ان کے اپنے والد اور امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی روایات تھیں اور وہ ان سب کے وارث تھے۔ اس ورثہ کو یا علوم و معارف کی اس دولت کو قونیہ کے پرسکون ماحول میں ایک پختہ کار صوفی و عالم کی حیثیت سے وہ خلق خدا میں نہایت فیاضی سے تقسیم کر رہے تھے۔ بادشاہ وقت اور امراء ان کے مواعظ میں حاضر ہوتے تھے اور عوام کے لئے بھی ان کے مدرسہ اور خانقاہ کے دروازے ہر وقت کھلے تھے۔

Marfat.com

"پُختہ شُدم"

مَزید پُختگی---- شَمس تبریزی سے مُلاقات: سال ۶۴۲ھ/۱۲۴۴ء

ایک ساٹھ سالہ گُدڑی پوش فقیر قُونیہ میں وارد ہوا اور جب اپنے وقت کے اس بہت بڑے عالم صوفی سے ملا تو اس کی شخصیت میں ایسے زلزلہ کا باعث ہوا جس سے نہ صرف اُستادِ زمان کے قلب و روح میں انقلاب برپا ہوا بلکہ ان کے آس پاس رہنے والے شاگردوں اور مریدوں کا صبر و سکون بھی برقرار نہ رہا۔

یہ فقیر شَمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ تھا جس کی مولانا سے ملاقات ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کی بنا پر کئی ایک حکایات وجود میں آ گئیں۔

کہتے ہیں کہ شاید شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ سے دمشق میں ملے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے یہ صحیح ہو مگر اصل انقلاب انگیز معاملہ قونیہ میں پیش آیا کہ نہ صرف مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا طریق تصوف بدل گیا بلکہ پورے کا پورا نظام فکر و اعتقاد اور اسلوب حیات بھی اس انقلاب کی نذر ہو گیا۔ سُلطان وَلَد اسے مُوسیٰ و خضر علیہ السلام کی ملاقات کے مماثل سمجھتے ہیں۔ تذکروں میں بتایا جاتا ہے کہ شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے آتے ہی ایک نگاہ سے رومی رحمتہ اللہ علیہ کی کتابیں جلا ڈالیں یا پانی میں ڈال دیں اور پھر نکالیں تو خشک تھیں۔ اگر یہ سچ بھی ہے تو مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ محض شعبدہ بازی ہو گی۔ مولانا جیسے دانشمند عالم کا ان سے متاثر ہونا بعید از قیاس بات ہے۔ البتہ وہ روایات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہیں جن کی رو سے اگرچہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ اور شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات اچانک اور ڈرامائی تھی مگر کچھ مکالموں کا ذکر بھی ہے۔ شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی ظاہری طمانیت کے نیچے ایک پوشیدہ بے تابی کو بھانپ لیا تھا چنانچہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی اس قلبی بے قراری کو برانگیخت کرنے کے لئے انہوں نے کچھ سوال کئے۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے جواب دیئے مگر سوال و جواب کے تبادلے نے ان دونوں کو اس طرح یکجا کر دیا کہ چالیس روز تک دونوں حجرے میں بند رہے اور کسی کو

Marfat.com

معلوم نہیں کہ دونوں میں کیا باتیں ہوئیں---- البتہ یہ ہوا کہ:

دید آں را کہ ہیچ نتواں دید   ہم شُنید آنچہ کس ز کس نشُنید

"مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے وہ کچھ دیکھ لیا جو دوسرے نہ دیکھ سکے۔ وہ کچھ سُن لیا جو کسی نے کسی سے نہ سُنا ہو گا)

مولانا کی تو دنیا ہی بدل گئی۔ نہ جُبّہ ودستار کا خیال رہا نہ "عِزّ و قدر و فضل و کمال" کا احساس۔ جوش و جذبہ اور وجد و مستی کا یہ عالم تھا کہ شعر خوانی اور رقص و سماع کے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ ایک ایسی طاقت ان کے وجود میں آ گئی تھی جو ان کی روح کی عمیق ترین تہ تک پہنچی اور انہیں باشعور عالم دین' مفتیء شرعِ متیں اور صُوفی مُرشد سے ایک سیماب صِفت قلندر' بیدار دِل صُوفی' فقیر بوریانشیں اور عارفِ خُدا مست بنا ڈالا۔

اپنے کلام میں مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مُرشد کو مختلف القابات سے یاد کیا اور پکارا ہے جیسے "نُورِ اولیاء' نُورِ دِلہا' شاہِ عِشق' رُومی قمر' خُسرِو جاں' شاہِ خُوش آئیں' حقّ اکہ' سُخن بخش' زبانِ من' شاہِ شیراں' نُورِ تبریز' خسرِو عہد' شہِ تبریز' سُلطانِ سُلطانانِ جاناں' شاہِ جانہا" وغیرہ۔ (۲)

شمس تبریزی کہ سَرمایہء لَعلست و عَقیق
ما ازُو لعلِ بَدخشاں و عقیقِ یمنیم

شمسِ تبریز' شہنشاہِ ہمہ مَرداں است
مازِ آں قُطبِ جہاں حجّت و بُرہاں داریم

شمس تبریزی کہ نُورِ مُطلق است
آفتاب است و زِ انوارِ حقّ است

مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا حال ان کے اپنے نزدیک تو ایک ناقابل بیان مرتبہء کامل

Marfat.com

تھا مگر افسوس یہ ہے کہ ان کے شاگرد، مرید حتیٰ کہ ان کے اہل خاندان کی سوچ مختلف تھی۔ ان کے خیال میں شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ نے ایک متقی و متشرع، فقیہ و متکلم نیز صوفی بزرگ کو نہ صرف غلط راہ سجھا دی تھی بلکہ انہیں پاگل کر ڈالا تھا۔

جب شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے لئے ماحول میں ناپسندیدگی اور ناگواری کے آثار دیکھے تو وہاں سے جانے کا ارادہ کیا مگر مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ جو شعر و شاعری سے کوسوں دور تھے، وہ اپنی غزلوں میں فریاد کناں سنائی دیئے:

شُنیدہ ام کہ عزمِ سَفر میکنی، مکُن مہرِ حریف و یارِ دِگر میکنی، مکُن

(سنا ہے کہ آپ جانے کا اوادہ رکھتے ہیں، ایسا مت کیجئے، اپنی دوستی اور محبت دوسروں پر نچھاور مت کیجئے)

مگر چھ سات ماہ بعد شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ بغیر کچھ بتائے غائب ہو گئے۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کے عقیدت مندوں کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی گریہ و زاری اور شمس رحمتہ اللہ علیہ کو واپس لانے کے مطالبے کے سامنے سب بے بس ہو گئے۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے سلطان وَلَد دمشق گئے اور ڈھونڈ کر شاہ شمس کو اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ مولانا خوش ہو گئے۔ وہی صحبت و مجلس، وہی سوز و ساز، وہی رقص و سماع۔

تاہم پھر وہی ردعمل ہوا یعنی ان کے اعزاء و اقرباء برافروختہ ہو گئے اور شمس رحمتہ اللہ علیہ کو شاید ہمیشہ کے لئے راہ سے ہٹانے کا سوچنے لگے۔ جب ایسے منصوبے تیار ہوئے تو شمس رحمتہ اللہ علیہ اب کے ایسے غائب ہوئے کہ پھر ان کا سراغ نہ مل سکا۔ شاید وہ خود ہی کہیں چلے گئے یا شاید مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردوں اور خاص طور پر ان کے ایک بیٹے نے ان کو قتل کر ڈالا۔

جب مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو خبر ملی تو وہ مان نہ سکے:

کہ گُفت کہ آں زندۂ جاوید بمُرد
کہ گُفت کہ آفتابِ اُمید بمُرد

(کون کہتا ہے کہ وہ زندۂ جاوید مر گیا، کون کہتا ہے کہ آفتاب امید غروب ہو گیا)

Marfat.com

مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی دنیا ایسی زیر و زبر ہوئی کہ پھر ان کے شاگرد اور مرید ان کو ویسا نہ دیکھ سکے جیسے وہ شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات سے پہلے تھے۔ اب ان کی حالت وہ ہوئی جس کی کیفیات دیوان شمس تبریزی اور مثنوی میں محفوظ ہو گئی ہیں۔

شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کی غَیبَت کے معاً بعد پہلے تو یہ حال ہوا کہ:

رُوز و شب دَر سَماع رَقصاں شُد　　بَر زمین ہمچُو چرخ گرداں شُد
یک زماں بے سَماع و رَقص نہ بُود　　رُوز و شب لحظہء نمی آسُود

(رات دن سماع کے دوران رقص کناں رہنے لگے۔ زمین پر آسمان کی طرح گردش کرتے تھے۔ سماع و رقص کے بغیر ایک لمحہ نہ گذرتا تھا۔ رات دن میں پل بھر چین نہ آتا تھا)

شمس رحمتہ اللہ علیہ کی تلاش میں مولانا رحمتہ اللہ علیہ بہت گھومے پھرے، خود دمشق تک گئے مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ واپس آئے اور اپنے مرشد کے فراق میں غزلوں پہ غزلیں لکھنے لگے۔ دو تین سال کے اندر ایک دیوان وجود میں آگیا۔ یہ وہ دیوان ہے جس کو بجا طور پر دیوان شمس تبریزی کہا جاتا ہے کیونکہ اس دیوان کے تمام کلام کا مرکزی کردار شمسِ تبریز رحمتہ اللہ علیہ ہیں:

شمس تبریزی نشستہ شاہوار و پیشِ او
شِعر مَن صَفہا زدہ چوُں بندگانِ بے اختیار

(شمس تبریز بادشاہ کی طرح تشریف فرما ہیں اور میرے اشعار بے بس غلاموں کی طرح ان کے سامنے صف باندھے کھڑے ہیں)

مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے اندر طوفان کے تھمنے کی ایک صورت اس وقت پیدا ہوئی جب وہ قونیہ کی ایک گلی میں اپنی دھن میں جھومتے ہوئے گذر رہے تھے کہ ایک سنار کی دکان سے ہتھوڑی کی آواز سنی۔ یہ سنار صلاح الدین زرکوب تھے۔ جو بقول مولانا شبلی "ابتداء سے صاحب حال تھے۔ سید برہان الدین محقق سے ان کو بیعت تھی اور اس لحاظ سے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے والد کے شاگرد کے شاگرد تھے"۔(۳)

Marfat.com

اس صاحب حال صوفی کی ہتھوڑی کی آواز میں ایک ایسا آہنگ تھا کہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ پر وجد طاری ہو گیا۔ زرگر دوست نے یہ کیفیت دیکھی تو اس نے کتنی ہی چاندی کوٹ کوٹ کر ضائع کر دی مگر اس کے بدلے میں یہ دولت پائی کہ مولانا کا دل جیت لیا اور مولانا رحمتہ اللہ علیہ پکار اٹھے :

یکے گنجے پدید آمد ازیں دکانِ زرکوبی
زہے صورت، زہے معنیٰ، زہے خوبی، زہے خوبی

(سنار کی دکان سے ایک خزانہ نمودار ہوا، کیا صورت تھی اور کیا معنی تھے، کیا خوبی تھی اور کیا شان تھی!)

پھر نو سال تک ایک "عامیء محض و سادہ و نادان" اُن کا مرید، مصاحب اور دوست رہا۔۔۔۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے کم از کم ستر اکہتر غزلیں صلاح الدین فریدوں زرکوب کی تعریف میں لکھ ڈالیں۔ لوگوں کے نزدیک وہ ایک سادہ و جاہل سنار تھا مگر مولانا کے لئے وہ ایک آئینہ بن گیا جس میں وہ اپنی صورت دیکھ سکتے تھے :

مابروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

(ہم ظاہر کو اور بات چیت کو نہیں دیکھتے، ہم باطن کو اور کیفیت کو دیکھتے ہیں)

غزلیات کا دیوان اس لئے حیرت انگیز ہے کہ جس شخص نے اتنے عرصے تک پہلے کبھی شاعری نہ کی تھی، وہ یکلخت اتنا بڑا شاعر کیسے بن گیا کہ آج تک اس کے دیوان کو لوگ پڑھتے ہیں اور وہ انہی کیفیات میں محو ہو جاتے ہیں یا وجد کے عالم میں جھوم اٹھتے ہیں جو مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے خود محسوس کی تھیں اور اپنی غزلیات و رباعیات کے اشعار میں سمو دی تھیں۔

دراصل شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات نے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے اندر ایسی ایسی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کر دیا کہ وہ جب بیدار ہوئیں تو انہوں نے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے تمام خارجی و داخلی پہلوؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان سب کو اگر ایک قوت کا نام دیا جائے تو وہ جامع قوت عشق ہے۔ بس یہ عشق ہی ان کی شاعری کا محرک بنا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ "مولانا کو عشق سے عشق ہو گیا"۔

Marfat.com

شَاد باش اے عِشقِ خوش سَودائے مَا
اے طبیبِ جُملہ عِلّت ہائے مَا

اے دوائے نخوَت و نامُوسِ مَا
اے توُ افلاطُون و جالینوس مَا

اس عِشق کی بدولت انہوں نے عقل و خِرد اور زمان و مکان کی حدوں کو ٹوٹتے اور فکر و وجدان کو لامکان کی پہنائیوں میں پرواز کرتے دیکھا:

عِشق است در آسمان پَریدن
صَد پَردہ بہر نفَس دَریدن

(عشق آسمان پر پرواز کرنا ہے اور ہر لمحہ سینکڑوں پردے ہٹانا)

عَقل گوید شش حَد است و ہیچ بیروں رَاہ نیست
عِشق گوید ہَست راہ و رفتہ اَم مَن بارہا

(عقل کہتی ہے کہ یہی چھ حدود ہیں اور ان سے باہر نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ عشق کہتا ہے کہ راہ ہے اور میں بارہا اس راہ سے گیا ہوں)

یہاں ان کے اس دور کے کلام پر ادبی تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں' وہ لوگ جو اس کے اہل ہیں' انہوں نے اس پر بہت کچھ کام کیا ہے۔(۴)

شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ غائب تو ہو گئے یا قتل کر دیئے گئے مگر مولانا کے چودہ طبق روشن کر گئے۔ ان کی صحبت میں انہوں نے اپنے اندر اس معیار کو پا لیا تھا جو شمس معرفت اور انسان کامل تھا۔ کبھی یہ صرف آرزو تھی:

زِیں ہَمرہان سُست عناصر دِلم گرِفت شیرِ خُدا و رُستم و استانم آرزو است
کس گُفت یافت می نشَود جستہ ایم ما گفتم کہ یافت می نشَود آنم آرزو است

(ان کاہل ہمراہیوں سے میں دل گرفتہ ہوں' میں کسی شیر خدا اور رستم کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کسی نے کہا کہ ہم ڈھونڈ چکے' ایسا کوئی نہیں ملتا۔ میں نے کہا کہ ہاں وہی جو نہیں ملتا' اس سے ملنے کی ہی مجھے آرزو ہے)

جب یہ آرزو بر آئی تو اب ان کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ جس معیار کو

Marfat.com

انھوں نے پا لیا ہے اب دوسروں کو بھی اس کی یافت کا راستہ دکھائیں۔ کچھ لوگ تو دیوان کے کلام میں ہی ان کا مطلب پا چکے تھے۔ جیسے فرماتے ہیں:

گوشہ ہا گشتہ اند مُحرمِ غیب　از زبان و دلِ سُخن دَر ما

(قلب و روح کے کئی پوشیدہ گوشے میرے سُخنور دل اور زبان کی بدولت روشن ہو گئے)

شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات سے پہلے کے دور میں وہ صوفی تو تھے مگر ان کے تصوف پر علم غالب تھا۔ یہ فلسفہ و کلام' عقل و نقل اور فقہ و فتویٰ کا دور تھا' سو گذر گیا۔ فقیر کے روبرو ہوئے تو فقر و درویشی اور ذوق و شوق انہیں ایک دوسری دنیا میں لے آئے جہاں سوز و ساز تھا' رقص و سماع تھا اور جذبہ و احساس کا بھرپور اظہار تھا۔ شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ غائب ہوئے تو کچھ دیر تک جذبات میں طوفان برپا رہا مگر پھر طبیعت میں ایک جمعیت کا رنگ پیدا ہونے لگا۔ فکر' جذبہ اور تخیل نے ایک مقصد کو پا لیا۔۔۔۔ اب وہ انسانیت کو ایک پیغام دینا چاہتے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ جو کچھ انھوں نے پایا' دوسروں کی بھی اس کی طرف رہنمائی کرنا چاہیے۔ اس دور میں محض شعر کہنا یا محض درد دل کا اظہار ان کا مقصد نہ رہا۔ یہ فن شاعری کے علاوہ ایک دوسرا فن تھا:

ہَست مَرا فنِ دیگر غیر فنونِ شُعراء

(میرا فن شعراء کے طور طریقوں سے الگ ہے)

اس فن کا اثر دوامی تھا۔۔۔۔ ان کے بعد آنے والے اب تک اس فن کے ذریعہ ان کا پیغام سنتے چلے آئے ہیں اور ہمارے بعد آنے والے بھی اس سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔

سیّد اِدریس شاہ کہتے ہیں: "اپنے والد کے سجّادے کے وارث رُومی رحمتہ اللہ علیہ اب اپنی صوفیانہ تعلیمات کو فنی ذرائع سے پیش کرنے لگے۔ رومی رحمتہ اللہ علیہ جو کچھ کر رہے تھے' اسے کچھ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ موسیقی' رقص اور شاعری کے ذوق و شوق کو درویشوں کے حلقے میں استعمال کیا گیا' ان کے ساتھ ذکر کی ذہنی اور

Marfat.com

جسمانی مشقیں بھی جاری رہیں جن کے ذریعے جمعیت اور اس کے ارتقاء کے لئے دماغ کی عظیم تر صلاحیتوں کو جگانا مقصود تھا۔" (۴)

مولانا کی سوانح میں اس مدت کے احوال لکھنے کے بعد فاضل سوانح نگار نے لکھا ہے:

"مثنوی اس دور کی پیداوار ہے۔ اس میں ہمارے لئے ایک ولولہ انگیز پیغام ہے۔ ہم سب کو اسی طرح بلکہ شاید اس سے زیادہ اسے سمجھنے کی ضرورت ہے جتنی کہ سات سو سال پہلے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے اولین مخاطبین کو تھی۔" (۵)

عمر کے آخری بارہ سال اس پیغام کے اظہار و ابلاغ کے لئے گویا وقف ہو گئے۔ گو جیسے اب جل اٹھنے کا دور آ گیا۔ مولانا کی شخصیت ایک شعلہ فشاں پہاڑ بن گئی جس کی روشنی پھیلی تو پھیلتی چلی گئی۔ اقبال نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

جانِ اُو از شُعلہ ہا سَرمایہ دار مَن فروغِ یَک نَفَس ہمچُو شرار

(اسکی روح شعلوں سے مالا مال اور میں اس کے سامنے ایک لمحہ کے لئے چمکنے والی چنگاری)

"سوختم"

صلاح الدین زرکوب کا انتقال ہوا تو مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں پھر ایک خلا پیدا ہوا جسے حسام الدین چلپی رحمتہ اللہ علیہ نے پورا کیا۔

مولانا رحمتہ اللہ علیہ اپنے دو پیش رووں سنائی اور عطار رحمہم اللہ علیہم کی طرز میں کچھ لکھنے کا سوچ رہے تھے کہ حسام الدین چلپی نے بھی مطالبہ کر دیا۔ اس طرح مثنوی کی ابتداء ہوئی۔

بشنو از نَے چوں حکایت می کُنَد وز جُدائی ہا شکایت می کُنَد

"صوفیہ کی اصطلاح میں عارف کو نَے (بانسری) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس بناء پر حدیقہ میں حکیم سنائی نے نَے کی اس طرح مدح سرائی کی ہے:

نالہء نَے ز دَرد خالی نیست شَوق از رُوئے زَرد خالی نیست" (۶)

اب دونوں حضرات کا وقت مثنوی پر صرف ہونے لگا۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

لکھواتے اور جلبی لکھتے اور گنگناتے جاتے۔ اس مثنوی کے پیچھے جلبی کی تحریک کی یہ اہمیت ہے کہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اس مثنوی کو "حسام نامہ" سے موسوم کیا۔

مثنوی چھ جلدوں پر مشتمل ایک بہت بڑی کتاب ہے جس کے متعلق جامی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" اور مثنوی نگار کے متعلق پکار اٹھے کہ "نیست پیغمبر ولی دارد کتاب"

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے' مثنوی نگاری سے مقصود اب نہ تسکینِ ذوق منظور تھی نہ شوق شاعری' بلکہ اب ایک مرشد اپنی شاعری کے ذریعہ رُشد و ہدایت کا کام لینا چاہتا تھا' فرمایا: "از بیم آنکہ ملول نشوند' شعری گویم' واللہ کہ من از شعر بیزارم۔ در ولایت و قوم ما از شاعری ننگ ترکارے نیست"۔ (اس خیال سے کہ لوگ ملول نہ ہوں' شعر کہتا ہوں۔ واللہ میں شاعری سے بیزار ہوں۔ ہمارے ملک میں اور ہمارے گروہ میں شاعری سے کمتر اور کوئی کام نہیں)

مثنوی میں انسان کی پیدائش سے لے کر موت اور بعد الموت تک کا تذکرہ موجود ہے۔ انسان سے انسان کامل بننے کے لئے انہوں نے درویشوں کو اپنے خاص انداز میں تعلیم دی ہے۔ بلاشبہ کردار سازی کے لئے اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں۔ اس درویشی کو وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے کسی مخصوص مذہب و ملت کی پیروی بہت نیچے کی بات ہے کیونکہ مولانا اس سے برتر سطح سے کلام کر رہے ہیں:

مِلّتِ عاشق از ہمہ دیں ہا جُدا است　　عاشقاں را مذہب و مِلّت خُدا است

(عاشق کی مِلّت سب مذہبوں سے جُدا ہوتی ہے' عاشقوں کا مذہب و ملّت بس خُدا ہے)

مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے مثنوی میں بنیادی خیال یہ پیش کیا ہے کہ انسان کی پیدائش کی بنیاد روحانی ہے اور اسے بالاخر روحانیت کی طرف لوٹنے ہی کی کوشش کرنا چاہئے کہ اسی میں اس کی فلاح ہے:

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش　　باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

(ہر شخص جو اپنی اصل سے دور جا پڑا' دوبارہ اس حالت کی طرف لوٹنا چاہتا ہے

Marfat.com

جب اسے وصال حاصل تھا)

آدمی میں یہ احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ روشن ضمیر لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ پھر اسے ایک حاضر رہبر کی ضرورت ہوتی ہے جس کی نگرانی میں وہ روحانی ارتقاء کے مراحل طے کرے۔ جب وہ کسی ایسے شخص کو پا لیتا ہے تو سمجھو کہ پہنچ گیا:

مَن بَریں دَر طالبِ چیز آمدم   صَدر گشتم چُوں بَدہلیز آمدم

(میں اس دروازے پر کسی چیز کا طالب بن کر آیا اور دہلیز پر ہی پہنچا تھا کہ صدرِ مجلس بن گیا)

اب صُوفی' درویش یا حکمتِ الٰہی کا متلاشی مرد پیغمبروں' ولیوں اور دانا و بینا عالموں کے کہنے پر چل کر اپنے ادراک و شعور کی اس قوت کو جگاتا ہے جسے الہام و وجدان کہتے ہیں۔ یہی قوت اس کے لئے رحمت الٰہی بن جاتی ہے۔

اس حال میں دنیا اس کا منتہائے مقصود نہیں رہتی بلکہ اس کا مطمع نظر ہی بدل جاتا ہے۔

چیست دُنیا از خُدا غافِل بُدن   نَے قماش و نقرہ و میزان و زن

(دنیا کیا ہے' خدا سے غافل ہو جانا۔ مال تجارت اور چاندی اور ترازو اور عورتیں' یہ دنیا نہیں ہے)

مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے روحانی ارتقاء دوسرے صوفیاء و حکماء کی طرح ہی بیان کیا ہے مگر جب وہ اسے شعر میں پیش کرتے ہیں تو بات دل نشیں اور خیال انگیز نظر آتی ہے۔ آدمی حیوانیت سے آدمیت تک' آدمیت سے فرشتوں کی حالت تک پہنچتا ہے۔ پھر

بارِ دِیگر از مَلک قُربان شوم   آنچہ اندر وہم ناید آں شوم
پَس عَدم گردم عَدم چوں ارغنُون   گویدم کہ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلیہِ رَاجِعُون

(ایک بار پھر فرشتوں کی حالت کو قربان کرتا ہوں اور وہ بنتا ہوں جو وہم و خیال سے بھی باہر ہے۔ پھر میں نیست ہو جاتا ہوں اور کوئی مجھے ارغنوں جیسی بلند آواز میں

Marfat.com

کہتا ہے کہ ہم اسی طرف لوٹنے والے ہیں)

مولانا رحمتہ اللہ علیہ فنا و بقا کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کہ آدمی اپنے نفس میں مرتا ہے تو رُوح میں بقا پاتا ہے۔ پھر وہ مرد کامل ہو جاتا ہے۔ یہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اعلیٰ معیار اور شاعری میں پسندیدہ موضوع ہے۔

مَردِ کامِل مُقلّد سے محقق ہو جاتا ہے مگر محقق سے مراد یہ نہیں کہ آدمی کوئی بہت بڑا عالم و فاضل ہو جاتا ہے۔ ان کے خیال میں سیدھے سادے متقی لوگ جنت میں جائیں گے۔

چالاک لوگ تو فلسفہ اور منطق میں پھنس کر رہ جاتے ہیں جبکہ سادہ دل و دماغ کے مالک اپنے فرائض ادا کرتے ہیں اور معاشرے کو اپنے عمل کے ذریعہ پریشانی سے بچا لیتے ہیں' ان کے عمل میں بے پناہ حرکیت آ جاتی ہے:

چُوں تو اِسرافیل وَقتی راست خیز رُستخیزی پیش از رُستخیز
ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم خویش بنما کہ قیامت نک منم

(چونکہ تو اسرافیل وقت ہے' اس لئے حشر سے پہلے حشر بپا کر دے' اے دوست اگر کوئی کہے کہ قیامت کہاں ہے تو کہہ دے کہ دیکھو' میں ہی قیامت ہوں!")

مرد کامل سر تا پا عمل ہے اور اس کا عمل اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ دین و ملت کے لئے ہے۔

مُصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ مُصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ

(ہمارے دین میں مصلحت جنگ و شکوہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں مصلحت محض غار اور پہاڑ میں گوشہ نشینی ہے)

مرد کامل کی پوری شخصیت ایک ایسی قوت کے زیر اثر ہوتی ہے جسے عشق کہتے ہیں۔ عقل اس قوت سے نا آشنا ہے:

عقل حیران کہ چہ عِشقت و چہ حال

(عقل حیران ہے کہ عشق کیا ہوتا ہے اور وجد و حال کیا ہے)

عشق کی طاقت بے پناہ ہے:

Marfat.com

دَر نگنجد عِشق در گُفت و شُنید　　عِشق دَریائیست قَعرش ناپدید

عِشق جوشُد بحر را مانند دیگ　　عِشق ساید کوہ را مانند ریگ
عشق بشگافد فلک را صَد شگاف　　عِشق لرزاند زمیں را از گزاف

(عشق کی حقیقت گُفت و شنید سے باہر ہے۔ عشق ایک ایسا سمندر ہے جس کی گہرائی نظر نہیں آتی۔

عشق سے سمندر دیگ کی مانند اُبل اٹھتا ہے' عشق پہاڑ کو ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

عشق آسمان میں سینکڑوں شگاف ڈال دیتا ہے' عشق زمین کو لرزا دیتا ہے)

یا عشق کے بارے میں دفترِ اوّل کے مشہور اشعار:

شاد باش اے عشق خود سودائے ما

اسی عشق سے حیات و کائنات کے بارے میں معرفت حاصل ہوتی ہے اور فرد کامل تر رتبہ پاتا ہے۔

یہاں مولانا رحمتہ اللہ علیہ صوفیوں کی روایتی تشبیہات و اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً لوہا آگ میں پڑتا ہے تو گو لوہا ہی رہتا ہے مگر آگ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے پھر وہ اپنے تئیں آگ بھی کہہ سکتا ہے:

شُد ز رنگ و طبع آتش محتشم　　گوید او مَن آتشم من آتشم

(آگ کے رنگ اور طبع سے پر شکوہ ہو کر کہتا ہے' میں آگ ہوں' میں آگ ہوں)

ایک مرتبے پر آخر انسان حق سے وصال حاصل کر لیتا ہے اور باقی باللہ ہو جاتا ہے:

اُو نیست' با صفات حقّ فنا است　　درحقیقت در فنا او را بَقاست

(جس کا مطلب یہ ہے کہ مردِ خدا گو خدا تو نہیں ہو جاتا مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہوتا)۔

Marfat.com

مثنویء مولوی معنوی ایک طویل نظم ہے جس میں کہانیاں ہیں، صوفیاء کی واردات و کرامات کے قصے ہیں، وجد آفریں احوال کے انکشافات ہیں، عوامی ضرب الامثال، محاورے اور استعارے ہیں، آیات و احادیث کی طرف اشارات ہیں، پند و وعظ کی باتیں ہیں، عجیب و غریب تشبیہات ہیں اور زندگی کے مختلف طبقات کی متحرک تصویریں ہیں۔ غرضیکہ ایک دنیا ہے جو پڑھنے والے کے سامنے کھل جاتی ہے اور وہ اس میں نہ صرف کھو جاتا ہے بلکہ جب وہ اس سے نکلتا ہے تو دانا تر ہو کر باہر آتا ہے۔

مثنوی، سنائی اور عطار (رحمہم اللہ علیہم) کے اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ مگر مولانا شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مثنوی کو ایک امتیازی صفت حاصل ہے: ''مثنوی سے پہلے جو کتابیں اخلاق و تصوف میں لکھی گئیں۔ ان کا یہ انداز تھا کہ اخلاق و تصوف کے مختلف عنوانات قائم کرکے اخلاقی حکایتیں لکھتے تھے اور ان سے نتائج پیدا کرتے تھے۔ ''منطق الطیر'' اور ''بوستان'' کا یہی انداز ہے۔ ''حدیقہ'' میں اکثر مسائل کو مستقل طور پر بھی بیان کیا گیا ہے مثلاً نفس، عقل، عمل، تنزیہ، صفات، معرفت، وجد، توکل، صبر و شکر وغیرہ کے عنوان قائم کیے ہیں اور ان کی حقیقت بیان کی ہے لیکن مثنوی کا یہ انداز نہیں، مثنوی میں کسی قسم کی ترتیب و تبویب نہیں۔ دفتروں کی جو تقسیم ہے، وہ خصوصیت مضامین کے لحاظ سے نہیں بلکہ جس طرح قرآن مجید کے پارے یا ایک شاعر کے متعدد دیوان ہوتے ہیں''۔ (۷)

بایں ہمہ مثنوی کے بعض مقامات کا سمجھنا مشکل بھی ہے۔ مولانا شبلی نے صحیح کہا ہے کہ سنائی اور عطار (رحمہم اللہ علیہم) کے ہاں تو خیالات واضح اور صاف ہیں جو ہر قاری با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ ''بخلاف اس کے مثنوی کا بڑا حصہ ان مسائل کے بیان میں ہے، جو دقیق النظر علماء کی سمجھ میں بھی مشکل سے آ سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض بعض مقامات باوجود بہت سی شرحوں کے آج تک لاینحل ہیں۔'' (۸)

اسی طرح ڈاکٹر نکلسن نے مثنوی کی خصوصیات کے بارے میں لکھا ہے: ''اس کی پرواز وسعت پذیر ہے۔ اس کا مواد کثیر اور مختلف النوع ہے۔ یہ ایک لطیف اور پر

Marfat.com

پیچ اسلوب ہے، جس کا تجزیہ مشکل ہے لیکن اس کے عام خدوخال سادہ اور شبہ سے بالا ہیں۔ مثنوی میں جہاں یہ اسلوب کمال کو پہنچا ہے وہاں منطقی ارتباط سے لاپرواہی، رسوم کی مخالفت، عوامی زندگی کی زبان کے دلیرانہ استعمال، معمولات زندگی کی بکثرت عکاسی اور مانوس واقعات کے بیان کی بناء پر قاری کو آزادگی اور وسعت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ نظم متعین راستوں اور حدود سے آزاد ایک سمندر ہے۔ اس کے نظریہ کے مغز و پوست کے درمیان کوئی پردہ نہیں جس کے باطنی مطالب کا اظہار کیا گیا ہے اور انہیں مفصل طور پر پیش کیا گیا ہے۔ متن اور شرح کی آسان یکجائی ظاہر کرتی ہے کہ کیسے مکمل طور پر جمالیاتی اور دیگر سطحوں پر حکمت رومی رحمتہ اللہ علیہ کو عقیدہ توحید سے تحریک ملی ہے۔" (۹)

ایک اور صاحب نے لکھا ہے: "مثنوی جو پچیس ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ انسانی اخلاقیات کا مجموعہ، دانائی و حکمت کا خلاصہ اور مختلف معاشرتی علوم کی گائیڈ ہے۔ اسے پہلوی یا فارسی زبان میں صحیح طور پر قرآن کہا گیا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی سیڑھی ہے جو انسان کی سوچ کو افلاک تک بلکہ اس سے بھی اوپر لے جاتی ہے۔

نرد بان آسمان است ایں کلام ہر کہ ازیں بر رود آید بہ بام" (۱۰)

ایک اور فاضل محقق کی رائے: "مثنوی کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اپنے آپ کو ایک ایسی عظیم شخصیت کے حضور پاتے ہیں جو ہمیں صرف کچھ سیکھنے میں ہی مدد نہیں دیتی بلکہ کچھ بننے میں بھی مدد دیتی ہے۔ ایک عظیم شخصیت کے تجربات کسی منطقی ترتیب تک ہماری رہبری نہیں کرتے کیونکہ منطقی ترتیب صرف خیالات کی خصوصیت ہے اور خیالات اکثر و بیشتر ایک عظیم دماغ کی پیداوار تو ہوتے ہیں مگر ایک عظیم شخصیت کے نہیں۔" (۱۱)

مثنوی کے مطالعہ کے دوران میں اس کی روایات و حکایات کے بارے میں بھی مولانا شبلی کی یہ وضاحت ضرور پیش نظر رہنی چاہیے کہ "مثنوی میں نہایت کثرت سے وہ روایتیں اور حکایتیں مذکور ہیں جو اگرچہ فی الواقع غلط ہیں لیکن اس زمانہ سے آج تک مسلمانوں کا بڑا حصہ مانتا آتا ہے۔ مولانا ان روایتوں سے بڑے بڑے نتیجے نکالتے

Marfat.com

ہیں یہاں تک کہ اگر ان کو الگ کر دیا جائے تو مثنوی کی عمارت بے ستون رہ جاتی ہے۔ اس سے بظاہر یہ قیاس ہوتا ہے کہ مولانا ان دور ازکار روایتوں کو صحیح سمجھتے تھے لیکن متعدد جگہ مولانا نے تصریح کی ہے کہ ان حکایتوں اور روایتوں کو وہ محض مثالاً ذکر کرتے ہیں جس طرح نحو کی کتابوں میں فاعل و مفعول کی بجائے زید و عمر کا نام لیا جاتا ہے۔" (۱۲)

اگر پہلے سے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے انداز و اسلوب کے بارے میں کچھ علم نہ ہو تو مثنوی ایک مشکل کتاب بھی ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے اپنے مقالے کے دیباچے میں لکھا:

"لیکن رومی رحمتہ اللہ علیہ کے مطالعہ میں بڑی مشکل ان کے انداز بیان کا نتیجہ ہے۔ مثنوی میں گوناگوں مقاصد و محرکات کے تانے بانے کو کچھ اس طرح گڈ مڈ کر دیا گیا ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے خاصا تحمل درکار ہے۔ ایک معمولی حکایت کے کمزور دھاگے میں وہ بغیر کسی نظم و ترتیب کے اپنے افکار و احساسات کے دانے پرو دیتے ہیں۔ پند آمیز مصرعوں کے بعد ان پر اچانک وجد و مستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر حکایت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کبھی مصرع میں صرف کوئی ایک لفظ ان کے خیال کو اچانک ان کے نظریہ مابعد الطبیعات کے کسی مسئلے کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ مثنوی میں رومی رحمتہ اللہ کا طریق کار یہی ہے۔" (۱۳)

جو لوگ فکر کو اہمیت دیتے ہیں انہوں نے اس میں علم کلام کے اہم مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱۴) اصل بات یہ ہے کہ مولانا ایک عارف شاعر تھے اور انہوں نے اصول دین (۱۵) اور اس کے ساتھ تمام متعلقہ مضامین کو مثنوی میں بیان فرمایا ہے۔ اب اس کو ایک مفکر اور متکلم کی نظر سے بھی دیکھا جائے تو اسے بجا کہا جا سکتا ہے مگر مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا نقطہء نظر ان اصول و فروعات کو بطور متکلم ثابت کرنا نہ تھا۔ وہ تو اپنے اشعار کے ذریعہ انہیں عام و خاص آدمی کے ذہن نشیں کرانا چاہتے تھے۔ انہوں نے منطقی استدلال سے کام نہیں لیا بلکہ انہوں نے حق کو سوز قلب سے مملو کرکے اشعار کے ابلاغ کا حق ادا کر دیا۔ اقبال نے اسی طرف

Marfat.com

اشارہ کیا ہے:

حقّ اگر سوزے ندارد' حکمت است شعر می گردد چوں سوز از دِل گرفت
بُوعلی اندر غبارِ ناقہ گُم دستِ رُومی پردۂ محمل گرفت

شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے کے بعد مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی ایک فقیر کی زندگی تھی۔ آخری ایام میں سُرخ عَبا پہننے لگے تھے۔ وہی ریاضت و عبادت میں انہماک' وجد و شوق' عجز و انکسار' فقر و درویشی کی تعلیم' مریدوں کی رہبری۔

۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء کو ظہور بشری کی مدت حیات اختتام کو پہنچی۔ مولانا حسام الدین چلپی کو خلیفہ مقرر کیا۔ اپنے بیٹے سلطان ولد کے بارے میں فرمایا کہ وہ پہلوان ہے یعنی اسے نامزدگی کی کیا ضرورت ہے۔ جنازے کے بارے میں فرمایا کہ مولانا صدر الدین پڑھائیں۔ اپنے مریدوں اور مجموعی طور پر عقید تمندوں کو وصیت فرمائی کہ "سراً و علانیتہ" خدا سے ڈرتے رہو' کھانے' سونے اور گفتگو میں کمی کرو' گناہوں سے دور رہو' روزے برابر رکھو' قیام شب کی مداومت کرو' شہوتوں کو ہمیشہ ترک کرتے رہو' ہر طرح کے لوگوں کی جفا برداشت کرو' عامیوں کی ہم نشینی چھوڑ دو' نیکوں اور بزرگوں سے صحبت رکھو۔ بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے اور بہترین کام وہ ہے جو قلّ اور دلّ ہو۔"

وفات پر شیخ صدر الدین تو جنازہ نہ پڑھا سکے کہ فرط غم سے بے ہوش ہو گئے۔ تقریباً" تمام حاضرین کی کیفیت کچھ ایسی ہی تھی "مردم شہر از صغیر و کبیر۔ ہمہ اندر فغان و آہ و نفیر" (شہر کے لوگ سب چھوٹے بڑے رو رہے تھے۔ آہیں بھرتے تھے اور فریاد کناں تھے۔) قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی اور قونیہ میں دفن ہوئے جہاں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی باضابطہ تصنیفات تو دو ہی ہیں یعنی "دیوان" اور "مثنوی"۔ مگر ایک ملفوظات کا مجموعہ بھی بہت اہم اور قابل مطالعہ ہے: "فیہ مافیہ" جسے ان کے صاحبزادے سلطان وَلَد نے ۷۵۱ھ میں مکمل کیا۔

Marfat.com

مُریدِ ہندی: شیخ محمّد اِقبال رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا جلال الدّین محمّد بلخی رُومی رحمتہ اللہ علیہ کے نام اور کلام کی شہرت اُن کی زندگی میں ہی برصغیر ہندو پاک میں پہنچ چکی تھی۔ حضرت بُوعلی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ شاید ان کی مثنوی اور دیوان پڑھ چکے تھے۔ کم از کم ان کی مثنوی اور مجموعہء غزلیات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر ترکستان اور خراسان سے آنے والے نقش بندی مشائخ بھی اپنی مجلسوں میں ان کے اشعار دہرایا کرتے تھے۔ غرضیکہ محققین کے خیال میں آٹھویں صدی تک تو یقیناً مثنوی کے نسخے یہاں پہنچ چکے تھے۔ بعد ازاں مثنوی کے درس بھی دیئے جاتے رہے اور اس کی شرحیں بھی لکھی جاتی رہیں۔ اس خطہ میں کوئی ایسا طریقہء تصوف نہیں جس کی وجدانیات کو مثنوی نے متاثر نہ کیا ہو یا اس کے مشائخ نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لئے اپنی تائید میں مثنوی سے مدد نہ لی ہو۔

لیکن جدید دور میں جو یہاں انگریزی کی تعلیم رائج ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے' جس قدر علامہ شیخ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے رُومی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کو اپنا رہبر بنایا' اس کی ترجمانی کی اور اسے دور حاضر کی زباں میں پیش کیا' اس قدر اور کوئی نہ کر سکا۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ کے ایک متدّین گھرانے میں عبادت گذار والدین کے ہاں پیدا ہوئے۔

تعلیم : مدرسہء میر حَسن سیالکوٹی' مَرے کالج سیالکوٹ' گورنمنٹ کالج لاہور اور یوُرپ میں لندن اور ہائیڈل برگ

فلسفہ میں ایم اے' پی ایچ ڈی اور قانون میں بار ایٹ لاء

ذریعۂ رُشد و ارشاد: شِعر و فلسفہ میں متعدد تصانیف

Marfat.com

وفات: ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء۔ لاہور

مقبرہ: شاہی مسجد۔ لاہور

اقبال کے والد ایک صُوفی مَنش بزرگ تھے اور انھوں نے ہی اپنے بیٹے کو طریقت کی طرف راغب کیا۔ اقبال نے اپنی ابتدائی مکتبی تعلیم میں ہی فارسی و عربی پر اتنی دسترس بہم پہنچا لی تھی کہ بعد میں ان کی لیاقت میں تو اضافہ ہوتا رہا مگر مزید آموزش کی ضرورت نہ رہی۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے' مولوی سید میر حسن کے حوالے سے مثنوی مولانا روم (رحمتہ اللہ علیہ) سے آگاہ ہو چکے تھے کیونکہ اقبال شروع سے ہی رُومی رحمتہ اللہ علیہ سے نسبتِ فیض و برکت اعلان کرتے آئے ہیں۔ جب "اسرارِ خُودی" لکھی گئی تو اقبال ان کے فیضِ معرفت کو پُوری طرح جذب کر چکے تھے۔

باز بَر خوانم زفیضِ پیرِ رُوم دفترِ سَر بستہ اسرارِ علوم
پیرِ رُومی خاک را اکسیر کرد از غُبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

"اسرارِ خُودی" مثنوی معنوی کے انداز میں ہی لکھی گئی۔

اقبال نے گو زمانۂ طالب علمی سے لے کر تادمِ حیات فلسفہ و تصوف کے بہت سے معلمین و مشائخ کو پڑھا' کئی زندہ صوفیوں اور ہم عصر فلسفیوں سے بھی ملے' ان کی تعلیمات سے بہت کچھ اخذ بھی کیا مگر ان کے مرشد یا شیخ معرفت آخر تک مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ ہی رہے:

پیر رُومی' مُرشدِ رَوشن ضَمیر کاروانِ عِشق و مَستی را اَمیر
جانِ او از شُعلہ ہا سَرمایہ دار مَن فروغِ یک نَفَس ہمچُو شَرار

مُرشدِ رُومی' حکیمِ پاک زَاد سرِّ مَرگ و زندگی بَر ما کُشاد

رازِ معنی مُرشدِ رُومی کشُود • فکرِ مَن بَر آستانش دَر سجُود

Marfat.com

خاص طور پر عمر کے آخری حصّے میں ان کے خلیفہ کی حیثیت سے ان کی تعلیمات کو پھیلانے کا عزم بھی شدّ و مدّ سے کرتے رہے:

وَقت است کہ بکشائم میخانۂ رُومی باز
پیرانِ حرَم دِیدم دَر صحنِ کلیسا مَست (مُسافر-۱۹۳۶ء)

چُوں رُومی دَر حرَم دادم اذاں مَن
ازُو آموختم اسرارِ جاں مَن
بہ دَورِ فتنۂ عصرِ کُہن اُو
بہ دورِ فتنہ عصرِ رَواں مَن (ارمغانِ حجاز)

تعلیماتِ رومی کی اشاعت کے سلسلہ میں اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا عظیم کارنامہ دراصل رومی رحمتہ اللہ علیہ کی کامیاب شرح و ترجمانی ہے۔ تصوف میں یہ کام اس لئے مشکل ہے کہ اب جدید دور میں جدید اصطلاحات میں بات کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی زبان میں سمجھانے کی ضرورت ہے جسے جدید ذہن سمجھ سکے۔ اقبال سے بہتر شخصیت اس کام کے لئے نہ اس دور میں کوئی تھی اور نہ اب ہے---- مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم کی بدولت ہی انہیں وہ نظر ملی کہ وہ نہ صرف "عذاب دانش حاضر" سے خود بھی بچ گئے بلکہ دوسروں کو بچانے کی بھی کامیاب سعی کی۔ حضرت سید محمد نواز بخش قدس سرہ العزیز کے الفاظ میں وہ ایک ایسے "نیک بخت" انسان تھے جنہوں نے مولانا رحمتہ اللہ علیہ کے فیض سے جدید علم و ثقافت سے وہی باتیں لیں جو مفید مطلب تھیں اور دور ازکار لغویات کو چھوڑ دیا:

نیک بخت است آں کہ دَر علمِ جَدید سَازد اِستدلال و گردد مُستفید
تا صَفا گیرد کذا رد ما کدر تا شوَد دَر عِلم و دَانِش مُفتخر

(وہ آدمی نیک بخت ہے جو مروجہ علوم سے استدلال کرے اور ان سے استفادہ بھی کرے تاکہ صاف صاف چیزوں کو لے لے اور گندی چیزوں کو چھوڑ دے۔ یوں علم و دانش کے اندر مایہ ناز بن جائے)۔ (۱۶)

Marfat.com

نذیر قیصر نے لکھا ہے: "گو جوہر فکر وہی ہے مگر اقبال جدید زبان میں بات کرتے ہیں۔ اس لئے جدید دور کے انسان کے لئے زیادہ قابل فہم ہیں۔" (۱۷)

اقبال نے "اسرارِ خودی" میں تمام فلسفیوں اور صوفیوں کی طرح عرفان ذات سے اپنی تعلیم کی ابتداء کی۔ ذات کے لئے "خودی" کی اصطلاح پسند کی۔ مولانا روم کے ہاں صوفیانہ روایت کے تسلسل میں ذات کے بجائے لفظ روح یا جان استعمال ہوتا تھا مگر اقبال نے جدید دور کے لئے لفظ ایغو' انا یا خودی کو قرین معنی سمجھا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے عالم اسباب میں اس کی جہت کا خاص خیال رکھا یعنی روح یا خودی عالم ظاہر میں کسی طرح متحرک و فعال ہوتی ہے۔ اقبال اپنے دور کے تقاضوں کے پیش نظر عالم شہود میں خودی کی نمود' نشوونما' کار آفرینی اور تخلیقی قوتوں پر بہت زور دیتے تھے۔

اگرچہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ صوفیاء کے قدیم و معروف فکری و عملی روایات سے وابستہ تھے مثلاً ایک لحاظ سے وہ وجودی صوفی تھے اور مریدوں اور درویشوں کے حلقے میں خانقاہ میں رہتے تھے جبکہ اقبال وحدۃ الوجود کے بھی خلاف تھے اور خانقاہی نظام کے بھی۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اقبال کے نزدیک یہ سب دور ازکار باتیں تھیں۔ ان کو رومی رحمتہ اللہ علیہ کے کلام میں عشق و مستی' آزادگی' آفاقیت' معیار مردِ کامل' جدوجہد وغیرہ کے مضامین فراواں نظر آئے اور انہوں نے رومی کو "رفیقِ راہ" بنا لیا۔

گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد   غُبارِ رہگذر را کیمیا کرد
نَے آں نَے نوازِ پاکبازے   مَرا باعشق و مستی آشنا کرد

اقبال کو رومی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات کا یہ حصہ بہت مفید نظر آیا جس میں جنگ و شکوہ' بیداری' جدوجہد مسلسل اور خود یابی کا پیغام تھا:

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شُد   کوہ دَر رَقص آمد و چالاک شُد

ترسِ موئے نیست اندر پیشِ عشق   جُملہ قُربانند اندر کیشِ عشق

Marfat.com

مَصلحت دَر دِینِ مَا جنگ و شکوہ .. ..

گر تو اہلِ دِل نہٖ بیدار باش   طالبِ دِل باش و دَر پیکار باش

بَندہ باش و بَر زمین رو چوں سَمند   چوُں جنازہ نے کہ بر گردن برند

مَن غُلامِ آنکہ دَر ہر رباط   خویش را وَاصل نداند بر سُماط
بس رباطے کہ بباید ترک کرد   تا بمسکن در رَود یک روزمرد

مَسکن: ''مَنزلِ مَا کبریا اسَت''

ڈاکٹر محمدؐ ریاض نے رائے دی ہے: ''رومی رحمتہ اللہ علیہ علی الظاہر وحدت الوجود کی بعض تعبیرات کے مؤید اور حامی ہیں۔ ''فیہ مافیہ'' میں ان کے بعض بیانات خصوصی طور پر وجودیوں کے سے ہیں مگر ان کا شعری سرمایہ بمشکل اس نقطہء نظر کا حامی ثابت ہو گا۔'' (۱۸)

رُومی کا فقر: ''یہ سربلندی' قدرت اور قوت و شکوہ کا مظہر ہے۔'' (۱۹)

صُحبتِ پیرِ رُوم سے مجھ پہ ہُوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سَر بجیب' ایک کلیم سَر بکف

اقبال بجا طور پر سمجھتے تھے کہ اس دور کے پڑھے لکھے لوگوں کو مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ اس دور کے بہت سے مسائل کا حل ان کے کلام میں ملتا ہے:

علاج آتشِ رُومی کے سوز میں ہے تیرا
تِری خِرَد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسُوں

جہد کن چندانکہ دانی چیستی
جہد کن در بیخودی خود را بیاب

Marfat.com

توکّل: گر توکّل می کُنی درکار کُن　　کشت کُن پس تکیہ بَرجبّار کُن

اُمید: کُوئے نومیدی مرو' اومیدہا ست　　سُوئے تاریکی مرو' خُورشید ہاست

آفاقیت: چہ تدبیر اے مُسلماناں کہ مَن خُود را نمی دَانم

نہ ترَسا' نے یہودم مَن' نہ گبرم' نے مُسلمانم

نہ از ہِندم نہ از چینم نہ از بلغار و سقینم

نہ از مُلکِ عَراقیم' نہ از خاکِ خُراسانم

مَردِ کامل:

.. .. شیرِ خُدا و رُستمِ دستانم آرزو است

گُفتم کہ یافت می نشَود جستہ ایم ما　　گفت آنکہ یافت می نشَود آنم آرزُو است

کاملے گر خاک گیرد زَر شَوَد　　ناقصِ ار زَر بُرد' خاکستر شَود

گر تو سنگِ صخرہ و مَرمَر شوی　　چوں بہ صاحب دِل رَسی' گوہر شوی

ہر دَمے او را یکے معراجِ خاص　　بر سرِ تاجش نہد صَد تاج خاص

افسوس اس بات کا ہے کہ گو علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ پر کچھ کتابیں ضرور لکھی گئیں مگر فارسی زبان کی تعلیم کم یا ختم ہو جانے کی بناء پر جدید دور کے پڑھے لکھے طبقے کی مثنوی تک براہ راست دسترس نہیں رہی۔ پھر بھی یہ کیا کم ہے کہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی و غزل کے مطالب کو اپنے کلام میں اس طرح سمو دیا کہ پیر مرید کی تعلیم میں کوئی خاص فرق نہ رہا۔ جب اقبال ''رمز آشنائے روم و تبریز'' ہوئے تو انہوں نے ان رموز کی

Marfat.com

آگے روایت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ یوں اس خطہ میں مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے--- بہ ترغیب و تشویق اقبال:

زِ رُومی گیر اسرارِ فقیری   کہ آں فقر است محسودِ امیری
حَذر زاں فقر و درویشی کہ ازوے   رَسیدی بر مقامِ سَر بزیری

بکامِ خود دِگر آں کہنہ می ریز   کہ با جامش نیرزد مُلکِ پرویز
زِاشعارِ جلالُ الدّین رُومی   بہ دیوارِ حریمِ دِل بیاویز

پیرِ رُومی را رفیقِ رَاہ ساز   تا خُدا بخشد ترا سوز و گُداز
زانکہ رُومی مغز را داند زپوست   پائے او محکم فتد در کُوئی دوست
شرحِ او کردند و او راکس ندِید   معنیء او چُوں غزال از ما رَمید

Marfat.com

طریقہء مَولویہ یا جَلالیہ

گو قُونیہ میں "طریقہء مولویہ" کے نام سے ایک طریقہ جاری ہے' جس کے ذریعہ طالبین کو ذکر و فکر اور دیگر اشغال کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں رقاص درویش بھی ہوتے ہیں جو دف اور نے کی آواز سے ہم آہنگ ہو کر رقص کرتے ہیں مگر طریقہ ء مولویہ رسمی تسلسل سے آزاد ہے کیونکہ مولانا کی تعلیم کسی ایک حلقے یا طائفے تک محدود نہیں رہی۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے طریق تربیت میں وضاحت' دماغی مشق' حال اور مُراقبے' کام اور کھیل' عمل اور سکون سب کو استعمال کیا۔" (۲۰)

لیکن ان کے سلوک کی منازل وہی تھیں جو ان سے پہلے کے صوفیاء متعین کر چکے تھے۔ فرمایا:

"شریعت شمع کی طرح ہے کہ راستہ دکھاتی ہے۔ جب تم راہ پر آ گئے تو اس پر چلنا طریقت ہے اور جب منزل مقصود تک پہنچ گئے تو وہ حقیقت ہے۔
حاصل کلام یہ کہ شریعت کسی استاد سے یا کتاب سے علم کیمیا سیکھنے کی مانند ہے اور طریقت یہ ہے کہ اسے استعمال کیا جائے اور تانبے کو کیمیا کے ذریعے بدلا جائے اور وہ تانبا سونا بن جائے تو یہ حقیقت ہے۔ یا شریعت کی مثال علم طب سیکھنے کی مانند ہے اور طریقت علم طب کی رو سے دوا کھانے اور پرہیز کرنے کی طرح ہے اور جب صحت پالی تو یہ حقیقت ہے۔" (۲۱)

یعنی وہی شریعت' طریقت' حقیقت۔

مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے رقص' موسیقی اور شاعری کو درویشوں کی تربیت اور تہذیب کے لئے استعمال کیا لیکن یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ درویش کا ذہنی توازن برقرار رہے اور اسے جمعیت حاصل ہو۔

Marfat.com

مولانا اور ان کے ساتھی سب بڑے زاہد، مرتاض اور عبادت گذار تھے مگر مولانا کا کارنامہ یہ ہے کہ تصوف و سلوک کے شعبے میں زہد محض کی بجائے سوز و گداز کو صوفیانہ کردار میں اس طرح سمو دیا کہ ان کے بعد آنے والے صوفیاء کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے نمناک ہو گئیں اور سینوں میں درد و اشتیاق نے مستقل جگہ بنا لی۔

جُملہ رَنجُوراں شِفا جُویند و اِیں
رَنج افزوں جُوید و دَرد و چُنیں
خوُب تر زِیں سَم نَدیدیم شَربتے
زِیں مَرض خُوشتَر نہ بَاشد صِحتے

(سارے بیمار شفا ڈھونڈتے ہیں مگر یہ عشق زیادہ سے زیادہ رنج اور درد اور اسی طرح کے دکھ ڈھونڈتا ہے۔ اس زہر سے خوبصورت میں نے کوئی شربت نہیں دیکھا۔ اس مرض سے بہتر کوئی صحت نہ ہو گی)

Marfat.com

شجرۂ طریقہ مولویہ: بے سلسلہ

حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

•
•
•
•
•
•
•

سلطان بہاؤ الدین ولد سید برہان الدین محقق (رحمتہ اللہ علیہما)
شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ
مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

حوالے

Poet and Mystic by R.A.Nicholson Introduction.p.26-Mandala Books :1

2:- ارمغانِ رُومی۔ دانشگاہ پشاور، مضمون "مولانا رُوم اور حضرت شمس تبریزی" از ڈاکٹر انعام الحق کوثر

3:- سوانح مولانا روم۔ از شبلی نعمانی، صفحہ ۳۰

The Sufis by IDRIES SHAH p.152--:4

Life and Works of Rumi by Afzal Iqbal p.179-Lahore-:5

6:- سوانح مولانا روم' از شبلی نعمانی۔ صفحہ ۹۰

7:- ایضاً" صفحہ ۸۴

8:- ایضاً" صفحہ ۸۲

Rumi Poet and Mystic p.22-:9

10:- ارمغان رومی۔ "آثار وحیات جلال الدین محمد مولوی" از ڈاکٹر پرویز لوڈین صفحہ نمبر ۲۷

11:- ایضاً"۔ "Rumis Philosophy of Love"by M.S.Rasul Rasa

12:- سوانح مولانا روم' از شبلی نعمانی صفحہ ۹۵

The Metaphysics of Rumi by Khalifa Abdul Hakim-p.3 Lahore-:13

14:- 1: سوانح مولانا روم از شبلی نعمانی صفحات ۱۲۳ تا ۲۲۳

۲: حکمتِ رومی از خلیفہ عبدالحکیم۔ لاہور

10:- اگرچہ یہ دو اصطلاحات "اصولِ دین" اور "علمِ کلام" ایک دوسرے کے مقابل میں استعمال ہوتی رہیں تاہم کبھی کبھی یہ بھی ہوا کہ فکری رجحان رکھنے والے علمائے دینیات دونوں اصطلاحات کو ہم معنی کے طور پر بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔ اگر علم کلام بالکل فلسفہ ہی بن جائے تو اسے کسی نے بھی پسند نہیں کیا۔ لیکن اگر علم کلام معقولات اور منقولات کا متوازن مرکب ہو یعنی وحی و الہام کی تائید کرے تو اسے جائز اور اصول دین میں سے ہی سمجھا گیا ہے۔ دیکھئے مضمون

The Origin and Historical background of Kalam:

An over view Discussion

Hamdard Islamicus, Karachi volume xvi no:l

16:- مثنوی نجم الہدیٰ از سید محمد نور بخش رحمتہ اللہ علیہ صفحہ ۲۴۸۔ ندوۃ الاسلامیہ نور بخشیہ۔

Rumi,s Impact on Iqbal,s Religious Thought-:17

Marfat.com

by Nazir Qaisar p.14-Lahore

18:- ارمغان رومی۔ صفحہ ۱۶۴

19:- ایضاً" صفحہ ۱۶۵

The Sufis by Idries Shah p.133-:20

21:- دیباچہ 'مثنوی معنوی۔ دفتر پنجم۔

متفرق حوالے:

مولانا روم کی تصنیفات سے حوالے

۱۔ مثنوی ِ معنوی ۲۔ دیوان ۳۔ فیہ مافیہ (ملفوظات)

نیز مثنوی از سلطان بہاؤ الدین وَلَد۔ و کُلیاتِ اقبال وغیرہ

Marfat.com

تصوفِ اِسلام کے ممتاز و معتبر محقق
پروفیسر سیّد احمد سعید ہمدانی
کی تصانیف

1:- تذکرۂ غوث و قطب۔
(حالات و مناقب حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ، حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ، غوث و قطب، رحمتہ اللہ علیہم

2:- ترجمہ و شرح حزبُ البحر (افادات: حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی، حضرت شاہ ولی اللہ، حاجی امداداللہ مہاجر مکی)

3:- عصرِ جدید اور مسائلِ تصوّف۔

4:- حقیقتِ ابدال و رجالِ غیبؒ (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

5:- احوال و مقامات، حضرت سُلطان باھُو (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

6:- ترجمہ و شرح "رسالہ رُوحی" از حضرت سُلطان باھُو قدس سرہ، (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

7:- ترجمہ و شرح "رسالہ رُوحی خورد" (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

8:- حضرت سُلطان العارفین سُلطان باھُو، حیات و تعلیمات (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

9:- شانِ غوث الاعظم، حضرت سُلطان باھُو کی نظر میں (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

10:- تقدیم و حواشی رسالہ "سلوکِ طریقت" (مطبوعہ حضرت غلام دستگیر اکادمی)

11:- تذکرۂ حضرت خواجہ للّٰہی رحمتہ اللہ علیہ (ترجمہ مخطوطہ "مقاماتِ طیبّین")

12:- ترجمہ و شرح "کلام بابا طاہر شاہ"

13:- حضرت سُلطان باھُو، حیات و تعلیمات مختصر

14:- شمعِ جمال (تاریخ تصوّف) (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

15:- خاصُ الخاص تعلیم (مطبوعہ، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

16:- نیم نظر (حضرت سُلطان باھُو، پر مضامین) (زیرِ طبع، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

17:- آف دی سپرٹ (انگریزی ترجمہ رسالہ رُوحی) (زیرِ طبع، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

18:- مردِ حقّانی (حضرت سُلطان باھُو پر پہلی پنجابی کتاب) (زیرِ طبع، حضرت غلام دستگیر اکادمی)

ناشاد پبلشرز

Marfat.com

تلقین و درسِ اہلِ نظر

Marfat.com

Marfat.com

تلقین و درسِ اہلِ نظر

تصوّف پر کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ ان میں اصلی بھی ہوتی ہیں اور نقلی بھی۔

پھر عظیم صُوفی شخصیات کے حالات' واردات و کرامات بلاشبہ دلچسپ ہوتی ہیں لیکن بارہا ایسا ہوا کہ حقیقت پڑھنے والوں کی نظر سے اوجھل رہی یا یہی معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کتاب کسی غیر صوفی کی ہے یا کسی صوفی شیخ کی۔ کیونکہ غیر صُوفی کی لکھی ہوئی کتاب سے تصوّف کے بارے میں کچھ تاریخی و تحقیقی معلومات تو حاصل ہو جائیں گی مگر اس راہ پر چلنے میں اس سے کوئی مدد نہ ملے گی۔

ہم عصر نقشبندی شیخ حضرت سیّد ادریس شاہ نے فرمایا ہے کہ نہ کتاب اہم ہے اور نہ ہی مصنّف بلکہ وہ حقیقت مطلوب و مقصود ہے جس کی مصنّف یا کتاب نشاندہی کرتے ہیں۔ صُوفیوں کے نزدیک صرف یہی بات اہمیت رکھتی ہے۔(۱)

کسی صُوفی بزرگ کی ذاتِ اقدس بھی' خواہ وہ کہیں بھی ہو---- کسی خانقاہ میں نظر آئے یا کاغذوں کے صفحات پر' گدڑی پہنے ہو یا کسی قیمتی لباس میں ملبوس---- اس لئے عظیم ہے کہ وہ آگے کسی عظیم تر حقیقت کو آشکار کر رہی ہے۔ وہ اس لئے مبارک ہے کہ اس حقیقت کی زندہ موجود شاہد بن کر ہمارے سامنے موجود ہے' اس کا صرف ظاہر ہی روشن و جاذب نظر نہیں بلکہ اس کا باطن اس سے کہیں زیادہ منور اور پرکشش ہے۔ اس کی اصل حقیقت یہی اس کا باطن ہے جس نے اس کے ظاہر کو بھی روشنی کا مینار بنا دیا ہے۔ اسے دیکھ کر لوگ راہ پاتے ہیں۔

بریوس بی۔ لارنس نے بھی تصوف کی روایت میں اسی طرح کی بات نوٹ کی ہے:

"درحقیقت شیخ ایک مؤثر انشاء پرداز صرف اس صورت میں اور اس حد تک ہی ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھا معلم ہو۔ اور وہ ایک اچھا معلم صرف اس صورت میں ہوتا ہے کہ وہ ذکر و عبادت کا ایک باضابطہ لائحہ عمل رکھتا ہو۔ اس کے لٹریچر کو اس

Marfat.com

حیثیت کے حوالے سے ہی دیکھنا چاہئے کہ وہ ایک شیخ طریقت ہے جس کی جانب لوگ تمام معاملات میں رہنمائی کے لئے دیکھتے ہیں"۔ (۲)

"تمام معاملات میں رہنمائی" سے مراد رُشد و ہدایت کا فریضہ ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے: "مرشدِ کامل راہبرِ بہر مطالب می رساند"(۳) ایک اور موقع پر فرمایا: "جو کچھ تو طلب کرنا چاہتا ہے' فقیر سے طلب کر"(۴) تمام معاملات میں رہنمائی اور تمام مطالب تک رسائی کو شاید کوئی اپنے خیال و خبط کے مطابق کچھ کا کچھ سمجھے مگر صُوفیاء اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقت جو مطلوب و مقصود ہے' وہ ہے:

ارشادِ خَلق' تلقینِ حقّ' اور تعلیم حکمتِ اِلٰہیہ----

اس سے سارے معاملات سنور جاتے ہیں اور سارے مطالب حاصل ہو جاتے ہیں۔

مراد و مقصد ایک ہے لیکن معلمین کئی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں اور ان کے طریقے مختلف ہیں۔

طریقے غذا اور دوا کی طرح ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر مقصد حفظانِ صحت ہے' جس کا معروف اور بنیادی طریقہ غذا ہے' لیکن ساتھ ساتھ بوقت ضرورت دوا کا ذریعہ بھی اکثر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مقصود ہدایت یابی ہے جس کے بنیادی ذرائع دو تین ہیں مثلاً کسی استاد کی نگرانی' نیکوکار لوگوں کی صحبت اور ذکرِ کثیر۔ مگر کچھ طریقے انفرادی طبائع کو پیش نظر رکھ کر یا حالات و واقعات زمانہ کے مطابق اختیار کئے جاتے ہیں اور ان طریقوں کو ایجاد اور رائج کرنے والے وقت کے طبیب اور حکیم ہوتے ہیں۔ ہم انہیں مشائخ طریقت کہتے ہیں۔

تصوّف کے تمام طریقوں کے بانی ایسے ہی لوگ تھے۔ ان کے طریقے ہماری صوفیانہ روایت کا حصہ بن چکے ہیں مگر اب یہ اس دور کے مشائخ کا کام ہے کہ وہ دیکھیں کہ دور حاضر میں کلی یا جزوی طور پر ان میں سے کون سے طریقے یا ان کے

Marfat.com

قاعدے اب بھی کار آمد ہیں اور وقت گذر جانے پر کون سے متروک ہو کر تصوف کی تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔

گردش زمانہ کیسی بھی ہو اور اس کا رنگ کچھ بھی ہو مگر یہ امر بہرصورت فلاح انسانیت کی پہلی کڑی ہے کہ ہر فرد آسمانی کتب کی تعلیم پر نہ صرف ایمان لائے بلکہ عمل بھی کرے اور اگر وہ اپنے لئے سعادت کا خواہاں ہے (اور کون نہ ہو گا!) تو اسے طریقت کے کسی استاد یا رہبر کے ہاں حاضری دینا پڑے گی۔ پھر اسے کچھ سیکھنا اور کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ نے تخلیق آدم کے ساتھ ہی یہ سنت جاری فرما دی:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○

(پھر کبھی تم کو میری طرف سے راہ کی خبر پہنچے تو جو کوئی میرے بتائے پر چلا' نہ ان کو ڈر ہو گا اور نہ ان کو غم)۔(۵)

اگر کسی آدمی کے اندر کچھ بھی سوچنے سمجھنے' سیکھنے اور سنورنے کی استعداد ہے ذرا بالغ ہونے پر وہ اپنے بارے میں ضرور سوچے گا۔ کئی سوال اس کے ذہن میں اٹھیں گے۔ ان کے جوابات کے لئے اسے پریشانی بھی ہو گی اور اگر وہ کچھ ذہین ہے تو کرب و اضطراب سے بھی گذرے گا۔ مگر صبر سے کام لے گا تو بالاخر کہیں نہ کہیں سے اسے ہدایت ضرور مل جائے گی۔

یہ اللہ کی رحمت سے بعید ہے کہ بندہ ہدایت اور معرفت کا طالب ہو اور اسے نہ ملے۔ ہاں' اسے انتظار کرنا پڑے گا۔ انتظار کے زمانے میں وہ اس روایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے تئیں مصروف رکھ سکتا ہے جس کو وہ اپنے معاشرے میں حاضر د موجود پاتا ہے۔ یعنی جس معاشرے میں وہ رہتا ہے' اسی معاشرے کے صحیح اور معروف اصولوں کے مطابق اسے اپنے معمولات ترتیب دینے چاہئیں۔

اس اثناء میں وہ سرگرمی کے ساتھ طلب میں رہے۔۔۔۔ اگر اس کے ہاتھ کچھ لینے یا پانے کے لئے درگاہ خداوندی میں اٹھے رہیں گے تو ظاہری طور پر یا روحانی طور پر' غیب سے یا شہود سے اس کی تعلیم کا بندوبست ضرور ہو گا۔ اس کو اپنے سوالوں کے

Marfat.com

جواب ملنا شروع ہو جائیں گے۔ اس مدت کے دوران دو سنہرے اصول ہر وقت پیش نظر رہنے چاہئیں : صبر اور انتظار (وَاسْتَعِينُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔ (٦)۔ صبر اور دعا سے مدد چاہو۔)

عام قانون یہی ہے کہ کوئی استاد ہی اس کو آگے بڑھا سکتا ہے اور اگر وہ صحیح معنوں میں طالب ہے تو ایسے حالات پیدا ہوں گے کہ یا تو وہ خود کسی شیخ کے پاس جا پہنچے گا یا شیخ ہی خود اس کے پاس پہنچ جائے گا۔

کبھی کبھی قسمت یکلخت بھی کسی کو گھسیٹ کر کسی شیخ کے حلقہء ارشاد میں لے آتی ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ چور ہو کر آیا اور ولی بن کر نکلا یا غیب سے کوئی جذبہ طاری ہو جاتا ہے اور کام بن جاتا ہے۔

طَے شَوَد جَادَہَ صَد سَالہ بَآہے گاہے

مگر ایسے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ عام ڈگر وہی ہے کہ کسی معروف قاعدے کے تحت یا ترتیب کے ساتھ چلو' تیاری میں رہو اور جب کوئی ہاتھ پکڑنے والا مل جائے تو اس کے ساتھ بے دھڑک چل پڑو۔

یہ ہاتھ پکڑنے والے لوگ بڑے تجربہ کار' جہاندیدہ' روشن ضمیر اور رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ یہ سختی بھی کرتے ہیں تو اس لئے کہ آسانی پیدا ہو اور راحت ملے۔ اس لئے جب تعلیم و تربیت کا عمل جاری ہو تو پھر جو چیز درکار ہے وہ ہے استعداد اور اس کے ساتھ ہمت۔

کون کہاں تک آگے بڑھتا ہے۔ یہ سب ہمّت اور اِستعداد پر منحصر ہے۔۔۔۔ کس کو کتنا علم ملتا ہے' کس قدر معرفت حاصل ہوتی ہے' کس حد تک آنکھیں کھلتی ہیں اور عالم روحانیت میں کس ولایت تک وہ پہنچتا ہے اور اسے کہاں کا والی بنایا جاتا ہے' یہ پھر اس کی فطری صلاحیتوں اور بخت کی یاوری پر منحصر ہے۔

رشد و ہدایت کے نصاب کو دیکھئے تو بادی النظر میں کوئی بات عجیب نظر نہ آئے گی۔

اِبتداء : اللہ' رسول (ﷺ) اور اسکی تعلیم پر ایمان (فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ النُّوْرِ

Marfat.com

الَّذِیْ اَنْزَلْنَا۔ (اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا' ایمان لاؤ)(۷)

(اچھے عادات و اطوار' اچھے اخلاق

(اپنے دین و مذہب کے اصولوں کا علم

(اخلاصِ عمل

وسط : کسی مُرشد کی صُحبت ("خاص لوگوں کی صُحبت بھی مِعراج ہوتی ہے")(۸)

ذکرِ کثیر (وَاذْکُرُ اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ○ اور اللہ کو بہت سا یاد کرو' شاید تُمہارا بھلا ہو)۔(۹)

عِبادات--- ذَوق و شَوق--- تلاوتِ قُرآن مجید

✓ ہم مَشرب و ہم مَسلک لوگوں سے میل جول

مَسجد' مَدرسہ اور خانقاہ میں بکثرت قیام

اِنتہا: علم و عمل میں اعتدال و توازن

نتیجتاً' فراست' بیداریء دِل اور سَعادتِ دارین

پھر خدمت: پہلے تخلیقی سطح پر اور انجام کار رُوحانی سطح پر

ابتداء میں ہی آنکھیں کُھلتی ہیں تو نظر مل جاتی ہے۔

حاصِل ما دریں تماشا گاہ

اِنتہا حیرت' اِبتداست نِگاہ (بیدؔل)

مرُشد کے حلقے میں آکر آدمی روشن ضمیر ہو جاتا ہے اس میں ایک بصیرت یا فراست پیدا ہو جاتی ہے' اس کے اندر کی وجدانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ وہ بدل جاتا ہے' اس کا اپنا باطن اس کی تبدیلی پر گواہ ہوتا ہے--- بظاہر وہی رہتا ہے مگر اندر سے وہ ایسا نہیں ہوتا جیسے لوگ اسے دیکھتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے بارے میں غلط فہمی میں رہتے ہیں۔ کچھ اسے محض نیک یا اچھا بندہ ضرور سمجھتے ہیں مگر وہ ان کے فہم سے بالا کہیں بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔ البتہ وہ لوگ اسے ضرور پہچان لیتے ہیں جو خود اسی راہ پر چل رہے ہوں جس پر چل کر وہ اپنے موجودہ حال یا مقام تک پہنچتا ہے۔

Marfat.com

بات بہت آسان سی ہے۔ تصوّف دینی تعلیم کا ایک مخصوص شعبہ ہے جسے کوئی معمولی سمجھ دار آدمی بھی نظرانداز نہیں کر سکتا۔

ہر شخص کو تعلیم پانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن تعلیم محض کچھ باتوں کو جان لینے اور کوئی شے بنا لینے کے لئے نہیں ہے بلکہ قلب و نظر کو سنوارنے اور روشن کرنے سے متعلق ہے۔ یہ کردار سازی اور روح پروری میں مدد دیتی ہے۔

تکمیل کا درجہ وہ ہے جہاں جسم کی خواہشات' مال و دولت کی طمع' حکومت و اقتدار کی ہوس' یا گلیمر اور شہرت کی آرزو --- سب پیچھے رہ جاتی ہیں۔ پھر خواہ فرشتے اس کے سامنے ہاتھ باندھے صف آراء ہوں یا اس کے اردگرد حور و قصور موجود ہوں مگر اسکی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے۔

"مقامِ ایشاں حریمِ ذاتِ کبریاء و از حقّ مَاسوٰیُ الحقّ چیزے نہ طلبیدند و بدُنیائے دُنی و نعیمِ اُخروی' حوُر و قصوُر بہشت' بکرشمہء نظر ندیدند" (ان کا مقام حریمِ ذاتِ کبریا ہے۔ انہوں نے حقّ تعالیٰ سے سوائے حقّ کے کچھ نہ مانگا اور دُنیائے زبوں اور آخرت کی نعمتوں' حوُر و قصورِ بہشت کو' آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا)۔(۱۰)

کاملِ مرد ہر آن اللہ کے حکم کا منتظر رہتا ہے اور اس کا ہر کام مشیّتِ ایزدی کے تحت ہوتا ہے--- تب وہ دوسروں کے لئے مُعلّم و مُرشد بننے کا اہل ہوتا ہے:

مَردِ کامِل' عارفِ وَاصِل اور سُلطان الفُقراء

باقی سب اس کے شاگرد اور مرید ہوتے ہیں۔ خواہ اس کے سامنے حاضر ہوں یا نہیں لیکن درحقیقت اس کے اور لوگوں کے درمیان اب رشتہ یہی ہوتا ہے: اُستاد اور شاگرد' مُعلّم و مُتعلّم' پیرو مُرشد اور شیخ و طالب وغیرہ

یہ رحمتِ الٰہی کا فیض ہے۔ یہ "شمعِ جمال" کا نُورِ ازلی ہے جو اَبد تک روشن ہے' تمام مشائخ طریقت اس نُور کو پھیلانے والے تھے۔ یہ نُورِ ہدایت تھا۔ یہ "حکمِ ارشادِ خلق"(۱۱) تھا۔ ان کے سامنے لوگوں کو راہ پر لانے' چلانے اور کسی منزل تک پہنچانے کا کارِ عظیم ہے۔ انہوں نے اسے بہترین طریقے سے سرانجام دیا۔

Marfat.com

ان کی قوّتِ قدُسیہ کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ جو ان کا ذکر پڑھتا ہے یا ان کے صحیح وارثوں اور ان کے سلسلہ سے منسلک مُعلّموں سے ملتا ہے تو ان کے فیض اور برکت سے محروم نہیں رہتا۔

اگر کسی نے طالبِ حقّ و معَرفت بن کر تصوّف کی کوئی کتاب پڑھی☆ یا جویائے حقّ کی حیثیت سے کسی شیخ کے ہاں حاضری دی تو وہ سمجھ لے کہ وہ اپنی مُراد کو پہنچا۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں اگر وہ دہلیز تک پہنچ گیا ہے تو سمجھ لے کہ مَسندِ صَدارت دُور نہیں ہے۔

سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

طَالِب بیَا' طَالِب بیَا' طَالِب بیَا! تَا رَسانم رُوزِ اوّل بَاخُدا(۱۴)

یعنی جو مُرشد کے حلقے میں آگیا' وہ گویا پہلے دن ہی اللہ تک پہنچ گیا۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ جو چلتا رہا' دوڑتا رہا' وہ ہزار ہا موانع کے باوجود بالآخر مقامِ سعید تک جا پہنچا' جو اس کا منتظر اور اس کے لئے مخصوص تھا۔

☆ پڑھنے سے مراد ایسا پڑھنا ہے کہ اس کتاب کا مفہوم رگ و پے میں سما جائے جیسے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

گر شُدی عطشان بحرِ مثنوی فرجہء کُن دَر جزیرہَ مثنوی

فرجہء کُن چنداں کہ اندر ہر نفَس مَثنوی را مَعنوی بِینی و بَس

(اگر تو بحرِ معرفت کا پیاسا ہے تو جزیرہَ مثنوی کی سیر کر اور محوِ سیر رہ تا آنکہ ہر سانس میں تو یہ محسوس کرے کہ مثنوی بجائے خود بحرِ معرفت ہے)

اسی طرح حضرت سُلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جو میری کتابوں کو پڑھے گا' وہ ظاہری مرشد سے بے نیاز ہو جائے گا"۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان کتابوں کی تعلیم کو وہ اپنی ذات کا حصہ بنا لے وہ اس کے ظاہر و باطن' علم و عمل غرضیکہ اس کی رگ و پے میں سما جائے۔ تب ایسا ہو گا کہ کسی اور وسیلہ کی ضرورت نہ رہے گی یا وسیلہ از خود اس کے سامنے نمودار ہو جائے گا۔

Marfat.com

مگر یہ چلنا اور دوڑنا اور سب تگ و دو کسی کی نگرانی میں ہو گی ورنہ اندیشہ ہے کہ سب کچھ بے نتیجہ رہے گا۔ تمام مشائخ طریقت کے شخصی احوال و مقامات اسی بات کا پتہ دے رہے ہیں اور ان کی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے۔

اگر کسی نے یہ نکات سمجھ لئے ہیں تو اسے یقیناً یہ کتاب دوبارہ پڑھنی پڑے گی اور اغلباً" سہ بارہ بھی!

از نقشِ ما حقیقتِ آفاق خواندنی ست
چوں موجِ کارنامہء دریا نوشتہ ایم
(۱۳)

نوشہرہ (وادیء سون سکیسر)
۳۰ جون ۱۹۹۳ء

سیّد احمد سعید ہمدانی

حوالے

1:- "The Sufi,s" by Idries Shah- p.15- Anchor Books
2:- "Notes from a Distant flute"-p.91-by Bruce B.Lawence -Tehran-1978
3:- "نور الهدیٰ"۔ صفحہ ۷۶، مرتبہ فقیر نور محمدؒ۔ تصنیف حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ'
4:- "قربِ دیدار"۔ صفحہ ۵۳۔ از حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ'
5:- البقرہ۔ آیت ۳۸۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر
6:- البقرہ۔ آیت ۴۵
7:- التغابن۔ آیت ۸
8:- "عقلِ بیدار" از حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ'۔ صفحہ ۱۴۔ (اردو ترجمہ)
9:- الجمعہ۔ آیت ۱۰
10:- "رسالہ روحی" از حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ
11:- ایضاً"
12:- ایضاً"
13:- مرزا عبدالقادر بیدل رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

شمعِ جمال

تاریخِ تصوف

Marfat.com